عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

إدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
شعبان ۱۴۳۵ھ / جون ۲۰۱۴ء

Reg No. P476

جلد: دوازدھم

شمارہ: 10

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org.pk

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

بیان

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہ ۔اعتکاف ۲؍اگست ۲۰۱۳ء)

خطبہ ماثورہ۔امابعد

ایک آدمی بادی بندوق جسے آپ ایئر گن کہتے ہیں لئے ہوئے مزدوری کررہا تھا۔لوگوں سے پانچ پانچ روپے لے کر فائر کروا رہا تھا۔دو فیتوں والا پولیس کا ایک سپاہی آیا جو شاید سب انسپکٹر تھا۔اس نے بادی بندوق لی،ایک فائر کیا تو خطا،دوسرا کیا تو خطا،تیسرا کیا وہ بھی خطا۔اس کے ساتھی نے کہا:'خان دا سنگہ چل دے؟' دیہاتی لوگ حوالدار کو مشر خان یعنی بڑا خان اور سب انسپکٹر کو کشر خان یا چھوٹا خان کہتے ہیں۔ساتھی نے پوچھا کہ خان یہ کیا بات ہے؟اس نے جواب دیا:'پولیس کی خو پاتی شوے یمہ خو پہ بینڈ باجہ کی اومہ۔' یعنی پولیس میں تو رہا لیکن بینڈ باجے میں تھا۔ساری عمر ڈھول باجے بجائے،کبھی فائر نہیں کیا۔عرض یہ ہے کہ انسان اعتکاف میں ہو اور ماحول میں ہو اور اتنی اچھی جگہ میں ہو اور کام میں دلچسپی نہ لے رہا ہو اور اپنے آپ کو حوالے نہ کرے تو اس سب انسپکٹر والا حال ہوتا ہے کہ ساری عمر پولیس میں گزارنے کے باوجود ڈز نہیں کرسکتا تھا کیونکہ تھا بینڈ باجے والا،بینڈ باجا تو سیکھ لیا پر پولیس کا اصل کام یعنی فائر نہیں سیکھ سکا۔آپ کو بھی اللہ نے وقت دینے کی توفیق تو دے دی،اب آپ اپنے آپ کو حوالے کریں گے تب فائدہ ہوگا ورنہ بیٹھے تو آپ یہاں ہیں اور موبائل پر آپ کا رابطہ کسی اور جگہ ہے لہٰذا عملی طور پر آپ اُس کی مجلس میں ہیں،آپ کا دل وہاں اٹکا ہوا ہے۔لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں پر حقیقتِ بیعت کسے کہتے ہیں؟حقیقتِ بیعت یہ ہے کہ آپ کا دل کہاں لگا ہوا ہے۔ہاتھ میں ہاتھ دے کر الفاظ ادا کرنا کہ فلاں کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں فلاں کے واسطے سے،یہ حقیقتِ بیعت نہیں ہے بلکہ حقیقتِ بیعت تو دل کا جھکاؤ ہے،کہ دل کہاں لگا ہے۔

اسلامیہ کالج میں جب ہم تھے تو اس وقت مسلمانوں میں انگریزی کالر والے کپڑے جن کے کان ہوتے ہیں پہننے کا عام رواج تھا۔ایک دن کالج کے لڑکوں نے قمیص کے کالر کھڑے کئے ہوئے تھے۔کسی نے پوچھا کہ اکثر لڑکوں نے قمیص کے کان کھڑے کئے ہوئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب ملا کہ ہندوستان کی فلاں فلم میں فلاں ایکٹر نے کالر کھڑے کئے ہوئے تھے،لڑکوں کو اس کی یہ ادا پسند آئی ہوئی ہے لہٰذا سب نے کالر کھڑے کئے ہوئے ہیں۔تو اصل بات یہ ہے کہ دل کہاں لگا ہوا ہے۔کہتے ہیں کہ بیعت آدمی تب ہو جب

اس کی مناسبت ہو جائے اور مناسبت ہے دل لگ جانا۔ ایک جن تھا اس کو سمندر کی ایک مینڈک سے محبت ہو گئی۔ وہ کسی آدمی کو اٹھا کر اس کے پاس لے جاتا اور کہتا کہ دیکھو کیسی خوبصورت ہے، کتنی خوبصورت اس کی آنکھیں ہیں، کیسی چمکیلی اس کی جلد ہے، کیسی اچھلتی پھدکتی ہے، تو آدمی آگے سے کہہ دیتا کہ مینڈک کیا اور اس کی خوبصورتی کیا۔ بس یہ جن اس کو وہیں قتل کر دیتا۔ ایک دفعہ یہ جن ایک سمجھدار آدمی کو اس کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے مینڈک کا تذکرہ کیا۔ اس نے کہا ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ وہ اگر مینڈک کی تعریف میں ایک دفعہ پھرتیلی کہتا تو یہ دس دفعہ کہہ دیتا، وہ ایک دفعہ چمکیلی کہتا یہ دس دفعہ چمکیلی کہتا۔ جن نے بھی کہا کہ ماشاء اللہ کیسا سمجھدار آدمی ہے اور اسے کندھے پر اٹھا کر پھرانے لگ گیا اور اس کا تابعدار بن گیا۔ تو بات یہ ہے کہ دل کہاں لگا ہوا ہے۔

دل ہمارا فسق و فجور میں، دنیا کی چیزوں میں، گندگیوں اور غلاظتوں میں لگا ہوا ہے۔ تصوف میں ایک عمل ہوتا ہے جسے 'تصورِ شیخ' کہتے ہیں یعنی شیخ کو دھیان میں لانا۔ تصور تو سب کو حاصل ہوتا ہے، کسی کو گائے کا کسی کو بھینس کا۔ مجاہدین نے ایک کنٹینر پکڑا امریکی اور کھولا تو اس کے اندر صرف ایک کتا تھا۔ جس نے پکڑا تھا وہ بڑا خفا ہوا کہ بہت سارا مالِ غنیمت ملتا اور دو تین مہینے گزارا ہو جاتا۔ کسی نے کہا کہ یہ تو بڑا قیمتی کتا ہے اور فلاں فوجی افسر کا ہے۔ انھوں نے ایک گلی کا آوارہ کتا پکڑ کر اس کے اندر بند کر دیا اصلی کتا نکال دیا۔ وہاں پہنچ کر جب کنٹینر کھلا تو کتا نکل کر بھاگ گیا۔ اس کے پیچھے بندے بھگائے، ہیلی کاپٹر چڑھائے، بالآخر ایک آدمی نے اس کے اوپر کپڑا ڈالا اور پکڑ کر افسر کے پاس لے آیا۔ افسر نے جو دیکھا تو کہا کہ یہ تو میرا کتا نہیں یہ تو گلی کا کتا ہے۔ اس نے ایک آدمی کو دس لاکھ روپے دیئے کہ کہیں سے اس کا کتا پیدا کرے۔ وہ آدمی اس مجاہد کے پاس آیا اور کہا کہ تم ایسے ہی خفا ہو رہے تھے کہ کچھ بھی نہیں ملا۔ دیکھو بڑے پیسے ملے ہیں، یہ لو پانچ لاکھ روپے اور کتا دے دو۔ باقی پانچ لاکھ اس نے اپنا کمیشن رکھ لیا۔ جس طرح حکومتوں کے وزیر کمیشن لیتے ہیں۔ اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں۔ ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کمیشن جیب میں ڈالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کمیشن ہوا اور پانچ لاکھ آدمی کو دے دیئے۔ کتا اتنا پسند ہے کہ اس کے لئے دس لاکھ کی قربانی دینے کو تیار ہے تو اس کے دل میں تو ہر وقت کتے کا تصور اور خیال ہے۔ ایک دَم گر پیر صاحب جب کسی کو تعویذ دیتے تو کہتے کہ یہ اثر تب کرے گا جب دل میں کالے کتے کا خیال نہیں لاؤ گے۔ اب اگر آدمی نہ بھی چاہے تو دل میں خیال آتا تھا کہ ایک بات کی طرف توجہ کر دی تھی۔ جب تعویذ اثر نہیں کرتا تھا تو پیر صاحب کہتے کہ میں کیا

کروں، تو نے کالے کتے کا خیال دل میں لایا تھا۔

اصلی حقیقت یہ ہے کہ تیرے اور میرے دل میں کیا ہے۔ دل کہاں اور کس کے ساتھ لگا ہے اور دل میں کیا سوچ اور دھیان ہے۔ جس چیز کا دھیان تیرے دل میں آرہا ہے اس چیز کا فیض اندر آرہا ہے۔ جیسے ہم یہاں سے میسج بھیجتے ہیں تو ٹھک کر کے امریکہ میں پہنچ جاتا ہے گویا میری حقیقت امریکہ میں موجود ہے، ایسا قریبی رابطہ ہے یہ۔ ہر انسان Space (خلاء) میں، جسے پہلے Ether کہتے تھے، براڈ کاسٹڈ (Broadcasted) بھی ہے اور ٹیلی کاسٹڈ (Telecasted) بھی۔ ہر ایک آدمی کی لہریں اس کے بدن سے اٹھ کر ساری کائنات میں پھیلتی ہیں۔ ایک آدمی کا انگلی کا اشارہ یا آنکھ کے اشارے کے اثرات ساری کائنات میں پھیلتے ہیں یہاں تک کہ عالمِ آخرت میں جا کر جنت دوزخ پر اثر ڈالتے ہیں لہٰذا ہر آدمی اپنی حقیقت کے ساتھ پوری کائنات میں لہروں کی شکل میں بکھرا ہوا ہے۔ جو آدمی جہاں کہیں سے کسی کے دھیان کو اپنے باطن میں لاتا ہے تو اس کی لہروں کے ساتھ اس کا رابطہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ ظلمت ہے تو ظلمت کا فیض ہوتا ہے اور اگر نور ہے تو نور کا اثر ہوتا ہے۔ اس کو تصورِ شیخ کہتے ہیں اور اس طریقے سے انسان پر اثرات آتے ہیں۔ مولوی حضرات سوچ رہے ہوں گے کہ ہم تو نصوص کے بغیر کوئی بات نہیں مانتے اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اہلِ تصوف کی باتیں منصوص نہیں ہوتیں، اپنے سے خیالات کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب غیبت کرتا ہے تو اس کے منہ سے اتنی بدبو آتی ہے کہ فرشتے اس سے دو میل دور بھاگتے ہیں۔ یعنی غیبت کے اثرات دو میل تک آرہے ہوتے ہیں۔ منصوص اسے کہتے ہیں کہ جو بات قرآن وحدیث میں آئی ہوئی ہو کیونکہ پکی بات تو وہی ہوتی ہے جو قرآن وحدیث میں آئی ہو۔ اسی لئے اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ دین عمر فاروقؓ کا ہے یا حضور ﷺ کا ہے! ہم عمر فاروق کی بات کو لیں یا حضور ﷺ کی بات کو لیں! ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم حدیث کو عمر فاروقؓ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ گویا انھوں نے نعوذ باللہ حضور ﷺ کو دیکھا نہ ان سے حدیث سنی نہ اس حدیث پر سمجھے تھے بلکہ حدیث کو ہم سمجھتے ہیں۔ بعض عورتیں بھی بڑی استعداد والی ہوتی ہیں خاص کر یہ جو موبائل فون پر میسج کا نظام ہو گیا اس پر مسائل پوچھ کر تربیت لے رہی ہیں۔ ایک عورت نے میسج میں لکھا کہ میں بیس تراویح پڑھتی ہوں لیکن مجھے کسی نے بخاری شریف دی ہے اور اسے پڑھ کر میں کافی پریشان ہو گئی ہوں۔ اس کی شرح کسی اہلِ حدیث کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ ساری عمر آٹھ رکعات پڑھتی تھیں، رمضان میں بھی آٹھ رکعات پڑھتی تھیں۔ اس سے آگے تشریح میں لکھا ہوا

ہے کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہے۔ ایک تو یہ اچھی بات ہے کہ اس کو یہ توفیق ہوگئی کہ ہر بات پوچھ لیتی ہے مجھ سے۔ جواب میں اسے لکھا میں نے کہ مسجد نبوی میں حضرت عمر فاروقؓ نے بیس تراویح کا اجراء کیا۔ انھوں نے سب صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تراویح جماعت سے پڑھی تھی لیکن اس خطرے سے کہ اس ذوق وشوق سے پڑھتے رہے تو فرض ہو جائے گی، فرض ہوگئی تو امت کے لئے مشکل نہ پڑ جائے، اس لئے آپ نے تین دن کے بعد جماعت نہیں کروائی اور یہ اعلان کر دیا کہ لوگ اپنے اپنے طور پر پڑھیں۔ پھر دو چار آدمی ایک جگہ نماز پڑھتے، آٹھ دس آدمی دوسری جگہ نماز پڑھتے۔ عمر فاروقؓ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت سے پڑھائی ہے، اب ہم اس کا کیسے اجراء کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس لئے جاری نہیں رکھا کہ فرض نہ ہو جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں دو چار آدمیوں کی جماعت ایک جگہ کھڑی ہوتی تو آٹھ دس آدمی دوسری جگہ کھڑے ہیں اور اس طرح علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں تراویح پڑھتے۔ عمر فاروقؓ کے دور میں تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ مسجد نبوی میں اتنے لوگ جگہ جگہ کھڑے ہوں تو ان کی آوازیں ٹکراتی تھیں۔ لہٰذا عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا کہ تراویح کے بارے میں فیصلہ ہونا چاہیے۔ سارے صحابہ کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگرد تھے، جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین پڑھا اور سیکھا تھا، ان سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ بیس رکعات کی جماعت شروع کریں گے۔ انھوں نے جو بیس رکعات کی تراویح کی نماز شروع کی تو اس دن سے لے کر آج تک بیس رکعات چل رہی ہیں۔ سعودی حکومت کے سلفیوں نے اور غیر مقلدوں نے زور لگایا کہ بیس تراویح کو ختم کیا جائے اور اس کی جگہ آٹھ شروع کی جائے لیکن نہ کر سکے کیونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ صرف سعودی خاندان کا نہیں ہے۔ یہ ہم سب کی اکٹھی میراث ہے۔ ہمارا بھی حصہ ہے اس میں، پاکستان کی بھی اس میں ملکیت ہے۔ سعودیوں کا رویہ بعض اوقات ہتک والا ہوتا ہے خاص کر جو وہاں نوکریاں کرتے ہیں ان کے ساتھ تو بہت ہتک والا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، تھک جانے کی وجہ سے میں نے ستون پر ٹیک لگایا ریاض الجنۃ میں، پاس ایک سعودی بیٹھا تھا، وہ ذرا کھسک گیا مجھ سے۔ میرے قلب پر وارد ہوا کہ اس کے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ یہ پاکستانی ہے تو کہیں سوال کرنے کے لئے قریب ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا: 'پریشان نہ ہوں، میں پاکستانی ہوں، اپنے پیسے خرچ کر کے تبلیغ کے لئے آیا ہوں، آپ لوگوں سے ملنے کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے آیا ہوں اور اللہ کا فضل ہے مجھ پر کہ میں ایٹمی طاقت ہوں، تمہاری

طرح نہیں کہ تیل کے پیسے کھا کھا کر اتنا موٹا ہو گیا ہوں کہ چل نہیں سکتا۔' وہ آدمی بڑا شرمندہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں پاکستان بھی جاتا رہتا ہوں، میں تاجر ہوں اور وہاں پر میرا کاروبار ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے بیس رکعت جاری کیئے۔ سارے صحابہ کرامؓ جو براہ راست شاگرد تھے حضور ﷺ کے اور انھوں نے آپ ﷺ کو آپ کے دین پر دیکھا تھا، انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس کو شروع کیا۔ سعودیوں نے اس کو ختم کرنا چاہا پر ختم نہ کر سکے کیونکہ یہ اکیلے ان کی میراث نہیں ہے۔ حرمین ہم سب کا ہے اور ساری دنیائے اسلام کی ملکیت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کو اقتدار مل گیا ہے اور ان کی حکومت ہے۔ ویسے باوجود اپنی ساری کوتاہیوں کے یہ لوگ خدمت کر رہے ہیں اور صحیح لوگوں کی قدر بھی کرتے ہیں۔

فقیہ صحابہ کرامؓ ۱۷ آدمی تھے۔ حضرت عائشہؓ کثرت روایت والی تو ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ بھی کثرت روایت والے تو ہیں لیکن متفق علیہ مفتی ۱۷ آدمی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے کچھ اپنے تفردات ہیں قصر نماز، تراویح وغیرہ کے بارے میں اس لئے وہ متفق علیہ مفتیوں میں سے نہیں۔ ان متفق علیہ حضرات میں خلفائے راشدین ہیں، پھر باقی عشرہ مبشرہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابودرداءؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو بھی مجتہد مانا ہے۔ وہ اہم لوگ جن کی بات فیصلہ کن ہے ان میں حضرت عمر فاروقؓ ہیں اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ علمی لحاظ سے ان شخصیات میں سے ہیں جن کی باتیں فیصلہ کن ہیں۔ اس لئے حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کے فیصلوں پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انہی دو صحابہ کرامؓ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ فقہ حنفی کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ثانوی طور پر ہے اور بنیادی طور پر یہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا فقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کہا گیا ہے کہ اصحابی کا النجوم بایکم اقتدیتم اھتدیتم ترجمہ: 'میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے'۔ اگر کسی مسئلے میں ایک صحابی کا ایک طریقہ ہو اور دوسرے کا دوسرا تو دونوں حق ہیں۔ ایک آدمی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ تین وتر پڑھتے ہیں جب کہ امیر معاویہؓ ایک وتر پڑھتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ وہ بھی مجتہد ہیں، وہ جس بات پر چل رہے ہیں وہ بھی فتویٰ ہے۔

صحابہ کرامؓ کا پہلا اجماع نبوت کے دعویداروں کے بارے میں ہوا جن کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ جس کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جو بھی اس کے ماننے والے ہیں وہ یا توبہ تائب ہو کر اسلام قبول کریں یا

دنیائے اسلام چھوڑ کر بھاگیں یا قتل کیئے جائیں گے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں یا ان کو ماننے والوں کے بارے میں یہ تین فیصلے ہیں جو شریعت نے کیئے ہیں۔ وہ اپنے اسلام کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور دنیائے اسلام میں کوئی زمین جائیداد، کوئی رسالہ، مرکز یا کوئی تبلیغی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں شریعت کا جو اصلی فیصلہ ہے وہ پاکستان کی اسمبلی سے نہیں ہو سکا ہے۔ قومی اسمبلی نے صرف ان کو کافر Declare کیا یعنی ان کے کافر ہونے کا اعلان کیا ہے لیکن اصل فیصلہ نہیں ہو سکا کہ بھاگیں یا اسلام قبول کریں ورنہ اپنے اسلام کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ یا پھر منافق ہو کر خاموش ہو جائیں اور خفیہ سازشیں کرتے رہیں لیکن علی الاعلان کچھ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ختمِ نبوت کے مسئلے کا فیصلہ اپنی اصل روح کے ساتھ ابھی تک پاکستان مین نافذ نہیں ہوا۔

دوسرا اجماع صحابہ کرامؓ کا تراویح کے بارے میں ہے۔ پھر مسئلہ تین طلاق پر اجماع ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب تین طلاق کے مسئلے آنے لگے تو انھوں نے کہا کہ میں تین طلاق کو تین طلاق ہی نافذ کروں گا۔ پوچھا گیا کہ آپ کیسے تین طلاق نافذ کریں گے جب کہ حضور ﷺ نے اس کو ایک طلاق نافذ کیا ہے۔ فرمایا کہ حضور ﷺ نے اس کو ایک طلاق صحابی کرامؓ کے لئے بارے میں نافذ کیا اور صحابہ کرامؓ سے بھی حضور ﷺ قسم لیا کرتے تھے، وہ آدمی قسم کھا کر بیان دے دیتا کہ طلاق کا لفظ جو کہ میں نے تین دفعہ کہا اس سے میری نیت ایک کی تھی۔ جب نیت ایک کی ہو اور لفظ تین بار بولا ہو تو ایک طلاق ہی نافذ ہوتی ہے۔ ہمارے مفتی صاحبان چونکہ عدالتی نظام سے نہیں گزرتے اس لئے ان کی کتنی ہی مشق کیوں نہ ہو پر اس مسئلے کو مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اب میں اصول بیان کروں تو آپ سمجھ جائیں گے۔ ایک فیصلہ ہے قضاءً اور ایک فیصلہ ہے دیانتاً۔ دیانتاً ہوتا ہے بین العبد و بین اللہ۔ اور قضاءً یہ کہ جب عدالت میں مسئلہ جائے گا تو فیصلہ ظاہری الفاظ پر ہوگا۔ دیانتاً مسئلہ ابھی بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے تین بار لفظ طلاق بولا ہے اور نیت ایک طلاق کی تھی تو اس کو قاضی کہے گا کہ عدالتاً تو فیصلہ تین طلاق کا ہے لیکن اگر آپ کو تسلی ہے کہ آپ کی نیت ایک کی تھی صرف لفظ تین بار بولا ہے تو یہ آپ اور آپ کے اللہ کے درمیان فیصلہ ہے، اس کو عدالت نہیں چھیڑتی لیکن جب فیصلہ عدالت پر ہوگا تو وہ اس کو تین طلاق ہی نافذ کرے گی۔ جب عدالت نے فیصلہ کر لیا اور اس کو خاوند بیوی دونوں نہیں مانتے اور دیانتاً کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر تسلی ہے کہ طلاق نہیں ہوئی تو اس مسئلے پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ایک شخص ایک عورت کو جبری چھین کر لے جانا چاہے جسے عدالت نے فارغ کر دیا

تو اس کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے کیونکہ جب اسلامی عدالت کا فیصلہ ہوجائے تو وہ ظاہر پر نافذ ہوجاتا ہے۔ قضا کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں مسائل کا پتہ ہی نہیں۔

خیر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے وہ فیصلہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا ہے اور ان سے بھی قسم لے کر کیا ہے۔ اب صحابہ کرامؓ والا اخلاص بھی نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ حضور ﷺ صاحبِ وحی تھے۔ آپ کے اجتہاد کو اگر تبدیل کرنا ہو تو وحی آپ کی رہنمائی کرتی تھی اور آپ کو خطا پر نہیں چھوڑا جاتا تھا کیونکہ انبیاء معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور انھیں وحی کا تحفظ حاصل ہے۔ فرمایا کہ اب نہ میں صاحبِ وحی ہوں نہ تم سب صحابہ کرامؓ۔ لہٰذا اب جو فیصلہ عدالت میں آگیا تین بار کہنے کا تو عدالت اس کو تین طلاق ہی نافذ کرے گی اور اب اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ دیانتاً ان لوگوں کا اپنا معاملہ ہے۔

ایک دفعہ میں اور ڈاکٹر طارق صاحب ایک دوست اہلِ حدیث ڈاکٹر صاحب کی شادی میں گئے۔ ہم نے کبھی ان کے مسلک کو نہیں چھیڑا تھا نہ کبھی انھوں نے ہم سے بحث کی تھی۔ درہ آدم خیل کا ایک خاندان سعودی عرب میں رہ کر اہلِ حدیث ہوگیا تھا، ان کے ہاں رشتہ ہوا تھا۔ نکاح پڑھنے کے لئے اہلِ حدیث کے پشاور مرکز کے شیخ صاحب گئے ہوئے تھے۔ ہم بھی مجلس میں بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب کا خیال تھا کہ سبھی اہلِ حدیث ہیں۔ انھوں نے اہلِ حدیث مسلک کی دعوت شروع کی اور کرتے کرتے حنفیوں اور باقی مقلدین کی تکفیر پر آگئے۔ جب بات تکفیر تک آگئی تو مجھے خیال ہوا کہ اب اس آدمی کو روکا جائے۔ میں نے کہا کہ شیخ صاحب ذرا صبر کریں۔ اس طرح تو کوئی بھی نہیں کہہ رہا کہ حدیث میں یہ بات اس طرح ہے لیکن ہم حدیث کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو لے رہے ہیں۔ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ تم بھی کہتے ہو کہ ہم حدیث پر عمل کررہے ہیں، ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کررہے ہیں۔ تم بھی حدیث پیش کرتے ہو، ہم بھی حدیث پیش کرتے ہیں، پھر آگے ایک کی حدیث قوی اور دوسرے کی ضعیف کی بحث ہوتی ہے۔ پر یہ جرأت کوئی بھی نہیں کرتا کہ قرآن وحدیث میں تو اس طرح آیا ہوا ہے اور میں اس کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کی بات کو لے رہا ہوں۔ شیخ صاحب کو خیال آیا کہ سب اہلِ حدیث نہیں ہیں اور آگے سے اس بندے نے Technical اور علمی بات بھی کرلی۔ میں نے کہا کہ شیخ صاحب آپ تو بڑے دعوے کرتے ہیں کہ سعودیہ میں بالکل ایسے ہے جیسے ہم ہیں لیکن سعودیہ کی ساری عدالتوں میں جس نے تین طلاق کہی ہو اس پر تین کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اگرچہ امام محمد بن عبدالوہاب نجدی بہت زیادہ امام ابنِ تیمیہؒ کے تائید کرنے والے ہیں اور باوجود حنبلی ہونے

کے کہتے ہیں کہ میں توحید میں ابنِ تیمیہؒ کے مسلک پر ہوں لیکن حکومت نے حنبلی فقہ کا فیصلہ نافذ کیا ہے اور امام ابنِ تیمیہؒ یا محمد بن عبدالوہاب نجدی کا فیصلہ نہیں لیا۔ ان کی ساری عدالتوں میں اسی طرح ہو رہا ہے۔ بس پھر شیخ صاحب پنچر ہو گئے۔ کہنے لگے کہ کیا کریں حکومتیں بعض باتیں اپنی مرضی سے کرتی ہیں اور حکومتوں والے تو ایسے ہوتے ہیں اور ویسے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کچھ بھی ہو بہرحال سعودی عدالتیں تین طلاق کا فیصلہ تین پر ہی کرتی ہیں، آپ کی طرح ایک پر نہیں کرتیں۔ جنازہ بھی وہاں خاموش پڑھا جاتا ہے جب کہ تم لوگ جہر سے پڑھتے ہو، وہ چار تکبیروں سے پڑھتے ہیں تم آٹھ تکبیروں سے پڑھتے ہو۔ اس طرح جنازہ تو سارے سعودی عرب میں نہیں ہوتا۔ بس پھر شیخ صاحب نے اس مسئلے پر خاموش ہو کر اور موضوعات کی باتیں شروع کر دیں۔ ان میں سے ایک ہی آفریدی خاندان اہلِ حدیث ہوا تھا باقی تو نہیں تھے۔ باقیوں نے بڑا سکھ کا سانس لیا اور اپنے مخصوص آفریدی لہجے میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شکر ہے ایک آدمی ہمارا بھی آیا ہوا تھا مجمع میں۔

اہلِ حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حدیث کو عمر فاروقؓ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمارا اہلِ سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت پر اس طرح چلیں گے جس طرح کہ صحابہ کرامؓ چلے۔ پہلے شاگرد چونکہ وہ تھے لہٰذا ان سے زیادہ سمجھ والے ہم نہیں ہیں۔ جب آلِ سعود کی حکومت آگئی تو انھوں نے جنت البقیع میں ساری قبروں کو توڑ پھوڑ دیا اور سارے نشانات مٹا دئے۔ اس قبرستان میں خاص خاص صحابہ کرامؓ کی قبروں پر کتبے بھی تھے۔ مشکل سے حضرت عثمانؓ کی قبر جو کہ ذرا اونچی جگہ پر تھی وہ باقی رہ گئی۔ بڑی مشکل سے نو قبریں ازواجِ مطہرات کی، پانچ قبریں اہلِ بیت کی، دو قبریں حضور ﷺ کی پھوپھیوں کی، ایک آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیمؑ کی، ایک امام مالکؒ کی، ایک امام مالکؒ کے استاذ کی، کچھ قبریں آپ ﷺ کی مبارک بیٹیوں کی، ایک حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت الاسد کی، یہ کوئی تقریباً بیس پچیس قبریں باقی ہیں، اور سب مٹا دیں۔ پھر ان کو خیال ہوا کہ گنبدِ خضرا کو توڑتے ہیں اور روزہ شریف پر جو تعمیر ہوئی ہے اس کو توڑتے ہیں۔ اس پر سعودی بادشاہ عبدالعزیز بن سعود کو خیال ہوا کہ میں صرف سعودیوں کا نمائندہ نہیں بلکہ اس میں تو ساری دنیائے اسلام شامل ہے، سب کو خفا کر کے میں کیسے چلوں گا۔ اس نے اپنے علماء سے کہا کہ میں ساری دنیائے اسلام کے علماء کو بلاؤں گا اور تم لوگ ان سے مناظرہ کرو گے۔ اگر تم مناظرہ جیت گئے تو ہم گنبدِ خضرا کو توڑ دیں گے۔ ساری دنیا سے وفد گئے۔ ہندوستان میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اس وقت جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے جو کہ سلسلۂ دیوبند کے بڑے مفتی گزرے ہیں۔ جمعیت کا صدر علماء میں سے ہوا کرتا تھا اور جنرل سیکرٹری اجمیر شریف کا

گدی نشین ہوا کرتا تھا۔ دیوبندی بریلوی اختلاف اس زمانے میں اتنا نہیں تھا۔ مولانا معین الدین اجمیر شریف کے گدی نشین اس وقت جنرل سیکرٹری تھے۔ ان حضرات کا وفد ہندوستان کی طرف سے گیا۔ شیخ وہبہ اس زمانے میں قاضی القضاء تھا۔ بادشاہ نے شیخ سے کہا کہ آپ تمام دنیائے اسلام کے علماء کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کریں۔ شیخ وہبہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں روزہ شریف پر جو تعمیر ہے اسے توڑ دیا جائے۔ پوچھا گیا کیسے توڑ دیا جائے؟ اس نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قبروں پر تعمیر نا جائز ہے۔ اس نے جب اپنا مؤقف بیان کرلیا تو بادشاہ دیگر علمائے اسلام کی طرف متوجہ ہوا کہ ہو لوگ بات کریں۔ سب سے پہلے دیوبند والوں کو ہی بات کرنے کا کہا گیا۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مولانا معین الدین صاحب سے کہا کہ تو بات شروع کر، یہ سوچ کر کہ نوجوان آدمی ہے، بات شروع کرے گا، دلائل ہوں گے، پھر پتہ چلے گا کہ وہ لوگ مزید کیا کہنا چاہتے ہیں، جب دلائل میں پیچیدگی آئے گی تو پھر خود بحث میں داخل ہوں گے۔ مولانا معین الدین صاحب نے کہا کہ میں شیخ وہبہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس جگہ پر حضور ﷺ کو کس نے دفن کیا تھا؟ کیا وہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام نہیں تھے؟ کیا ابوبکرؓ و عمرؓ نے دفن نہیں کیا؟ کہا: ہاں عشرہ مبشرہ نے دفن کیا۔ پوچھا: تو پھر؟ جب عشرہ مبشرہ نے ان کو دفن کیا ہے تو پھر اس پر کوئی کیا بحث کرنا چاہتا ہے؟ شیخ وہبہ نے کہا: میں حدیث پیش کررہا ہوں اور یہ حدیث کے مقابلے میں عشرہ مبشرہ کو پیش کررہا ہے۔ گویا اس نے اپنے اہلِ حدیث مسلک کا خلاصہ بیان کردیا کہ میں تو حدیث پیش کررہا ہوں اور یہ اس کے مقابلے میں عشرہ مبشرہ کو پیش کررہا ہے۔ بادشاہ نے کہا: جاؤ شیخ صاحب رہنے دو، تم عشرہ مبشرہ سے زیادہ حدیث کو نہیں سمجھتے ہو۔ انھوں نے حدیث کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کو عمارت کے اندر دفن کیا ہے لہٰذا ان سے زیادہ تم حدیث کو نہیں سمجھتے ہو۔ بادشاہ نے فیصلہ کرلیا کہ گنبدِ خضرا کی تعمیر ایسے ہی رہے گی۔ پھر علماء نے کہا کہ اگر یہ حدیث ہی سے جواب مانگتے ہیں تو ہم انہیں حدیث سے جواب دے دیں گے۔ حدیث میں آیا ہے بناء علی القبور یعنی قبر پر تعمیر کرنا۔ یہاں تعمیر پہلے سے تھی اور اس کے اندر قبر بعد میں بنی لہٰذا یہ بناء علی القبر نہیں ہے۔ حدیث کی تشریح کے مطابق بھی بات ٹھیک ہے۔ علمائے دیوبند کے فقہی دلائل کے آگے الحمدللہ سارے غیر مقلد لاجواب ہوئے اور حکومتی سطح پر فیصلہ ہوا کہ یہ تعمیر ایسے ہی رہے گی اور یہ اصولی بات سامنے آئی کہ قرآن و حدیث کو صحابہ کرامؓ کی تشریح سے سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کے امین صحابہ کرامؓ ہیں۔ لتبین لناس ما نزل الیھم (سورۃ نحل ۴۴) تا کہ اس کی تشریح تو کرے۔ قرآن پاک کی تشریح کا حق اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو دیا ہے اور اس کے بعد پھر

تفکر کی گنجائش چھوڑی ہے۔اس سے آگے لعلھم یتفکرون میں ائمہ مجتہدین آجاتے ہیں۔تو قرآن نازل ہوا اللہ کی طرف سے،تشریح اس کی کرنی ہے حضور ﷺ نے،اس تشریح کے امین صحابہ کرامؓ ہیں اور ائمہ مجتہدین کو مزید غور وفکر کرنے کی گنجائش دی گئی ہے۔ان کو اجتہاد کی گنجائش دی گئی۔حضور ﷺ کی تشریح حدیث کی شکل میں ہے اور حدیث کے امین صحابہ کرامؓ ہیں۔اب وہ حدیث کیا معنی رکھتی ہے اور اس پر عمل کیسے کرنا ہے اس بات کے امین صحابہ کرامؓ ہیں۔امین صفدر اوکاڑوی صاحب کی ایک تحریر ہے ''حدیث اور سنت میں فرق''۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ سنت معمول بہا ہوتی ہے یعنی کئی حدیثوں میں سے ایک پر عمل ہو رہا ہوتا ہے جب کہ باقی حدیثوں پر عمل نہیں ہو رہا ہوتا۔مثلاً حضور ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے،یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے لیکن یہ سنت نہیں حدیث ہے۔سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہے۔حدیث میں کوئی تاویل ہوتی ہے یا کسی ایک موقع کی بات ہوتی ہے،وہ معمول بہا نہیں ہوتی جبکہ سنت معمول بہا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا علیکم بسنتی یہ نہیں فرمایا کہ علیکم بالحدیث۔علیکم بسنتی و سنت خلفاء الراشدین المھتدین تمہارے لئے ضروری ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔خلفائے راشدین کون ہیں؟ سارے صحابہ کرامؓ خلفائے راشدین ہیں۔صرف چار کو حکومت میں آنے کا موقع ملا ہے ورنہ سارے کے سارے خلفائے راشدین ہیں اور دین کو پہنچانے کے لحاظ سے حضور ﷺ کے نمائندہ ہیں۔ سنت وہ ہے کہ اگر ایک مسئلہ کے بارے میں دس حدیثیں آئی ہیں تو ان میں سے عمل کے طور پر صحابہ کرامؓ نے کس کو لیا۔مثلاً وتروں کے بارے میں دس حدیثیں آئی ہیں۔ان میں سے تین کی شکل میں ایک گروہ نے لیا ہے اور ایک کی شکل میں دوسرے گروہ نے لیا ہے لہٰذا دونوں سنتیں ہو گئیں کیونکہ دونوں کو صحابہ کرامؓ کی تائید حاصل ہو گئی۔سب کی خدمت میں یہ بات عرض ہے کہ آج کل عام طور پر غیر مقلدین کی سطحی بحثوں کو سن کر ان پر عمل نہ کیا کریں۔

ہندوستان سے جس وقت انگریز نکل کر جا رہا تھا تو اس نے ایک طرف قادیانی نبوت کھڑی کی جو جہاد کو رد کرے تو شاید جہاد کی تحریک رک جائے اور دوسری طرف احمد رضا خان بریلوی کو تیار کیا کہ جہادیوں پر کفر کا فتویٰ لگائے تاکہ ان کا زور ٹوٹے۔تیسرا محمد حسین بٹالوی ایک آدمی تھا جو ہندو سے مسلمان ہوا۔چونکہ محنتی اور مخلص تھا،اس نے قرآن وحدیث کو پڑھا۔پھر جب فقہ کو پڑھا تو فقہ اور حدیث کی تطبیق یا مطابقت کرنے میں اور اس کو اکٹھا کرنے میں اس کے ذہن نے کام نہیں کیا لہٰذا اس نے غیر مقلد طرز شروع کیا۔جب

غیر مقلد طرز شروع ہوا تو انگریزوں کو پتا چلا کہ یہ آدمی اچھا خاصا اختلاف ڈال سکتا ہے۔ چونکہ آدمی مخلص تھا ایجنٹ نہیں تھا اس لئے اس نے براہ راست فنڈ نہیں لیا۔ اس کو بالواسطہ فنڈ دیا گیا اور اس کے ساتھ ایسے آدمی کئے گئے جو اس کو ہمت دلائیں اور آگے بڑھائیں۔ غیر مخلص آدمی کو اہلِ باطل براہِ راست فنڈ دے کر اس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جو مخلص ہو اس کو براہِ راست فنڈ دینے کی بجائے اس کے ساتھ اپنے ایجنٹ لگاتے ہیں جو اس کے خاص مرید بنتے ہیں، اس کی تائید کرتے ہیں، اس کو آگے بڑھاتے ہیں اور اس کو اپنے طریقے پر چلاتے ہیں۔ محمد حسین بٹالوی کو بھی ان لوگوں نے Indirectly (بالواسطہ) چلایا اور اس نے اچھا خاصہ اختلاف ڈالا۔ ہندوستان کا اہلِ حدیث مسلک محمد حسین بٹالوی کا ہے۔ آخری عمر میں فقہ کے لئے اس کا ذہن کھلا ہے۔ تب اس نے کہا کہ ہائے افسوس کہ اگر میں نے تقلید کی ہوتی تو مجھے بہت فائدہ ہوتا۔ کیونکہ مخلص تھا اس لئے جونہی اس پر بات کھلی تو تسلیم کر لی۔ تب تک انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر اختلاف ڈال دیا تھا۔ اس لئے جب غیر مقلدین کا طریقہ پھیلنے لگا تو علمائے دیوبند نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک حدیث ہے اور ہم اس حدیث کو اس طرح سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کر رہے ہیں تو اس کو ایک الگ مسلک کے طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جب انھوں نے کفر کے فتوے شروع کئے کہ مقلد کافر ہیں تو پھر اندازہ ہوا کہ یہ محض ایک مسلک نہیں بلکہ ایک سازش ہے۔ سازش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے نہیں تو نقصان پہنچاتی ہے۔ اہلِ حدیث میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک مخلصین کا گروہ رہا ہے اور دوسرا ایجنٹوں کا۔ ایجنٹوں نے اپنے مسلک کو تو بہرصورت تکفیر پر چلانا تھا۔ اب بھی ان کا ایک گروہ تکفیر پر ہے اور دوسرا نہیں ہے۔ غزنوی خاندان اہلِ حدیث میں محتاط ہے۔ یہ اپنے شاگردوں سے کہتے کہ جس بات میں چاروں فقہوں میں کوئی مسئلہ نہ ہو اس کو کبھی اختیار نہ کرو۔ اس بات کو ضرور دیکھو کہ چاروں فقہوں میں سے کسی نہ کسی امام نے اس بات کو لیا ہو تو اس میں حفاظت ہے۔ اگر کسی امام کا کوئی مسلک نہ ہو اس بات میں تو خطرناک ہے۔ یہ لوگ مخلص تھے۔ ان کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ ایک دفعہ سردیوں میں عید کی نماز کے لئے عبدالجبار غزنوی صاحب وضو کر رہے تھے۔ اُس وقت لاہور میں عیدگاہ کی نماز فقط اہلِ حدیث پڑھتے تھے۔ اہلِ سنت والجماعت کا عیدگاہ کا بندوبست نہیں تھا۔ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنتِ مؤقدہ ہے اور بغیر عذر کے ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے اس محلے میں بھی عیدگاہ کی نماز ہوتی ہے۔ پشاور میں ایک عیدگاہ وہاں (چارسدہ روڈ) پر اور ایک یہاں ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھتے تھے۔ غزنوی صاحب جو ان کے امام تھے نے

جرابیں اتاریں اور پیر دھونے لگے۔ پاس کھڑے اہلِ حدیث نے کہا کہ آپ نے تو جرابوں پر مسح نہیں کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ دراصل میرے پیچھے مولانا احمد علی لاہوری ؒ آ کر نماز پڑھتے ہیں، ان کی خاطر میں نے جرابیں اتار کر وضو کیا تاکہ میرا وضو متفق علیہ ہو، اختلافی نہ ہو تاکہ ان کو نماز پڑھتے ہوئے تکلیف نہ ہو۔ ایک دفعہ غزنوی صاحب حضرت لاہوری صاحبؒ سے ملنے کے لئے آئے۔ حضرت لاہوریؒ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ یہ لوگ آمین بالجہر کرتے ہیں۔ اگر یہ اکیلے ہوں گے تو پریشان ہوں گے، تم بھی ساتھ کھڑے ہو کر آمین بالجہر کہنا تاکہ وہ بھی بآسانی کہہ سکیں۔ مرید سادہ دیہاتی آدمی تھا۔ اس نے اتنی زور سے آمین کہی کہ غزنوی صاحب بھی پریشان ہو گئے کہ ہمارا ایک بے تکا اہلِ حدیث یہاں بھی موجود ہے جس نے اتنی زور سے آمین کہی۔ نماز کے بعد غزنوی صاحب نے کہا کہ حضرت آمین تو ہم بھی کہتے ہیں پر اتنے زور سے نہیں کہتے جتنی اس نے کہی۔ مخلصین اور ایجنٹ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ایجنٹ نے تو اپنے طریقہ کار کو آگے بڑھانا ہوتا ہے کیونکہ اس نے تو تنخواہ لی ہوتی ہے۔ اس نے کبھی صلح نہیں کرنی ہوتی۔ اس لئے اس بات کی تسلی کیا کریں کہ اہلِ سنت والجماعت کی جو چار اماموں کی ترتیب ہے اور پھر خاص کر حنفیوں کی جو ترتیب ہے یہ بہت ہی زیادہ پکی ٹھکی اور محکم چیز ہے۔ اُن کی سطحی بحثوں میں نہ آیا کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغ کہتے ہیں توحید، رسالت، تقویٰ، ایمان، اخلاص، اس کی تبلیغ کرنا، ان کے فضائل بیان کرنا اور لوگوں کو اس پر تیار کرنا۔ مسلک کی تشہیر کرنا کہ اہلِ حدیث ہو جاؤ، حنفی یا شافعی ہو جاؤ، یہ تبلیغ نہیں ہے۔ مسلک کو پھیلانے کی دعوت دینا تبلیغ نہیں ہے۔ ایمان وتقویٰ کے فضائل بیان کر کے لوگوں کو اس پر لانے کو تبلیغ کہتے ہیں۔ اگر میں کھڑا ہو کر کہوں کہ حنفی ہو جاؤ، شافعی ٹھیک نہیں، تو یہ میں فساد کر رہا ہوں، تبلیغ نہیں۔ میں کھڑا ہو کر کہوں کہ اہلِ حدیث ہو جاؤ، باقی مسلک ٹھیک نہیں تو یہ میں فساد کر رہا ہوں تبلیغ نہیں۔ عرب لوگ جب تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے لئے آئے تو کچھ عربوں نے آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑ دیا اور اپنے حنبلی، شافعی مسلک کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ ہمارے بزرگوں نے ان سے کہا کہ ہم نے آپ کو حنفی مسلک کی دعوت قطعاً نہیں دی لہٰذا آپ اپنے مسلک پر چلیں۔ ہم نے آپ کو توحید، رسالت، ایمان، آخرت، ذکر اور اعمالِ صالحہ کی دعوت دی ہے نہ کہ مسلک کی۔ اگر آپ ہمارا مسلک اختیار کریں گے تو آپ حضرات اپنے علاقے میں تبلیغ کے کام کو روک دیں گے۔ بات ان لوگوں کی سمجھ میں آ گئی۔ تبلیغ ایمان واعمال کی دعوت ہے، آپ جس فقہ کو بھی لے کر چل رہے ہیں اس پر چلیں۔

گھر کا سکون: ایک آرزو ہے سب کی قسط۔۳

(ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

اس بیمار کی عمر تقریباً ۳۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ یہ اس کا چوتھی مرتبہ آنا تھا۔ ہر دفعہ اسے ایک ہی شکایت ہوتی ''ڈاکٹر صاحب جوڑوں میں سخت درد ہے، رات کو درد زیادہ ہو جاتا ہے۔ کمر شدید درد کرتی ہے۔ دونوں پاؤں کچھ سن سے ہو جاتے ہیں۔ جب چلتی ہوں تو کبھی کبھار درد زیادہ ہو جاتا ہے۔ گھریلو کام کرنے میں کافی تکلیف پیش آتی ہے۔ بچے بھی چھوٹے ہیں۔ ان کو سنبھالنے میں کافی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ گھر والے کا خیال بھی کرنا ہوتا ہے۔ ساس صاحبہ بیمار ہیں ان کی خدمت بھی میرے ہی ذمہ لگی ہوئی ہے (اس جملے کو مریضہ نے ذرا زور دے کر کہا) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بیماری لگ گئی ہے۔ ڈاکٹر لوگ بھی سمجھتے نہیں ہیں۔''

میں نے اسکی باتیں سنیں، معائنہ کیا، کچھ تسلی کے الفاظ کہہ کر دوا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ جب چوتھی مرتبہ میرے پاس آئی اور وہی باتیں دہرائیں کہ ظاہراً جوڑوں کی بیماری بھی نہیں ہے، جوڑ سوجتے بھی نہیں ہیں، حرکت بھی ٹھیک ہے اور دوائی بھی اثر نہیں کر رہی، وقتی فائدہ تھوڑا سا ضرور ہوتا ہے لیکن شفاء کا امر نہیں ہو رہا تو ان باتوں کو سامنے رکھ کر میں نے اس کے اندر کے حال کو تھوڑا کریدا کیونکہ بعض بیماریاں جسمانی کم اور روحانی زیادہ ہوتی ہیں۔ اس عورت کو بھی جسمانی لحاظ سے معمولی سی کمر کی تکلیف ضرور تھی یعنی ڈسک کا مسئلہ تھا تو لیکن معمولی سا، باقی جوڑوں کی تکلیف کا دن بدن زیادہ ہونا اور دواؤں کا اثر نہ کرنا آزمائش تھی یا پکڑ۔ اس رخ پر میں نے کچھ باتیں کیں اور گھریلو حالات کے متعلق پوچھا۔ میں نے کہا بی بی نماز تو آپ پابندی سے ہی پڑھتی ہوں گی، اس میں اللہ پاک سے دعا و استغفار بھی ضرور کرتی ہوں گی، کبھی اس طرف بھی سوچا ہے کہیں یہ بیماری میرے کسی برے عمل یا منہ سے نکلی ہوئی بری بات یا دل میں چھپی گرہ، جو اللہ پاک کو ناپسند ہو، کی وجہ سے ہے۔ ہم اکثر و بیشتر ایسی بات منہ سے نکال دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہم پکڑ میں آجاتے ہیں۔ اس نے جواباً کہا کہ ایسی تو کوئی بات بظاہر نظر نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ بی بی میاں کے ساتھ کبھی کبھار جھگڑا ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تو ہر گھر میں ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ معافی میں پہل

کون کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی نہیں۔ ہمیں معافی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور میں کیوں معافی مانگوں جب غلطی اس کی ہوتی ہے۔ وہ زیادتی کر جاتا ہے تو میرا دل اندر سے کڑھتا ہے میں بھی اسے کھری کھری باتیں سناتی ہوں، جب وہ چلا جاتا ہے تو رہی سہی باتوں کا غبار اس کی ماں کو سنا کر دل ٹھنڈا کرتی ہوں۔

ان باتوں کے دوران حضرت تھانویؒ کا ملفوظ مجھے یاد آیا۔ ایک عورت نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں لکھا کہ میرے شوہر صاحب مجھ سے کسی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں تو میں منت سماجت کر کے منا لیتی ہوں تب آرام ملتا ہے لیکن بعض اوقات اپنی غلطی دل کو نہیں لگتی (بلکہ انہی کی غلطی ہوتی ہے) ایسے وقت میں معافی مانگنے کو جی نہیں چاہتا۔ حضرت ارشاد فرمائیں کہ ایسے وقت میں کیا کروں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا:

”خواہ غلطی سمجھو یا نہ سمجھو (ہر صورت میں اپنی غلطی کا اقرار کر کے معافی مانگ کر) شوہر سے پوچھ لیا کرو کہ غلطی ہے یا نہیں۔ اگر وہ غلطی بتلائیں تو عذر کر لیا کرو۔ (الغرض شوہر کی ناراضگی کے وقت) اس کی خوشامد کر کے عذر معذرت کر کے جس طرح بنے اس کو منا لو۔ چاہے تمہارا قصور نہ ہو شوہر ہی کا قصور ہو تب بھی ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرانے کو اپنا فخر اور اپنی عزت سمجھو۔

الغرض مرد کی واقعی غلطی اور بے جا غصہ کے وقت بھی زبان درازی نہ کرو۔ اس وقت خاموش رہو اور جب اس کا غصہ اتر جائے تو دوسرے وقت کہو کہ میں اس وقت نہ بولی تھی اب بتلاتی ہوں کہ آپ کی فلاں بات بے جا تھی یا زیادتی کی تھی۔ اس طرح کرنے سے بات بھی نہ بڑھے گی اور مرد کے دل میں تمھاری قدر بھی ہوگی۔

اگر غصہ میں شوہر تم کو برا بھلا کہے تو برداشت کرو اور بالکل جواب نہ دو، چاہے وہ کچھ کہے تم چپکی بیٹھی رہو۔ غصہ اترنے کے بعد دیکھنا وہ خود شرمندہ ہوگا اور پھر انشاء اللہ تم پر غصہ نہ ہوگا۔ اگر تم بول اٹھیں تو بات بڑھ جائے گی۔ پھر نہ معلوم نوبت کہاں تک پہنچے۔“ (اصلاح خواتین۔ حضرت تھانویؒ ص ۱۴۵-۱۴۶)

میں نے مزید اس مریضہ سے پوچھا کہ بی بی گھریلو کام کاج کے دوران دل پر بوجھ بھی آتا ہے کہ میں ہی کیوں گھر کے کام کروں۔ کیا میں ہی گھر میں جھاڑو دینے کیلئے اور برتن صاف کرنے کے لئے ہوں۔ اس نے جواباً کہا: ”ڈاکٹر صاحب جہاں تک ہوسکتا ہے میں کرتی رہتی ہوں لیکن شروع سے میری

طبیعت گھریلو کام کاج میں نہیں لگتی۔ بھلا میں اس لئے پیدا ہوئی ہوں کہ دوسروں کے لئے اپنے کو تھکاؤں۔ میرے دل پر بوجھ ہی نہیں غصہ بھی آتا ہے کہ میں کام میں اپنے آپ کو پگھلا رہی ہوتی ہوں اور میاں صاحب اخبار پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ساس صاحبہ تو کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتیں۔ کتنی دفعہ میں نے میاں صاحب کو کہا ہے کہ نوکرانی کا بندوبست کرو لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب ہمارے ہاں میاں صاحب کے رشتہ دار آتے ہیں تو پھر تو میری شامت ہوتی ہے۔ ان رشتہ دار عورتوں نے تو کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگانا ہوتا، ہر چیز تیار مانگتی ہیں۔ میں کوئی ان کی نوکرانی لگتی ہوں۔ میری ساری بیماری کی وجہ بھی یہی لوگ ہیں۔'' میں نے پوچھا کہ بی بی اتنی تھکاوٹ کے بعد آپ کو رات کی نیند تو مزے کی آتی ہوگی۔ جواباً کہا: ''کیا خاک آئے گی، دن بھر کی تھکاوٹ اپنی جگہ اوپر سے باتیں اپنی جگہ۔ لوگوں کے چونچلے مجھ سے برداشت کدھر ہوتے ہیں۔ رات کو بھی کڑھتی ہوں۔ کبھی ایک پر غصّہ آتا ہے کبھی دوسرے پر۔ میری بھی کوئی زندگی ہے۔ ہر وقت کام کام۔ ذرا سا آرام نہیں۔'' وہ کہتی چلی گئی جیسے آج اسے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع ملا ہو۔ آخری جملے پر اس کی آنکھوں میں نمی کے اثرات بدرجہ اتم موجود تھے۔ میں نے اسے تسلی دی، خدمت کے فضائل سنائے اور دوا دے کر رخصت کر دیا۔ اب میں اس کی بیماری کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ بیماری بڑی واضح تھی۔ اپنے آپ کو ہی بیمار کئے ہوئی تھی۔ اس دفعہ میں نے دردوں کی گولیاں لکھنے کی بجائے اس کی دماغی بیماری کی دوائیں لکھیں تاکہ اسے کچھ ذہنی سکون مل سکے۔ کیونکہ اس کی منفی سوچ کے اثرات اس کے دماغ سے پیدا ہونے کے بعد اس کے جسم پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ تقریباً ہر گھر میں عورتیں ہوں یا مرد حضرات ایک طرح کی منفی سوچ دوسروں کے بارے میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس منفی سوچ کی لہریں جسم کے اندر Catecholamines غدود سے نکالتی ہیں جس کا تمام جسم پر اثر پڑتا ہے، ہڈیوں، چمڑے، پٹھوں وغیرہ پر۔ اس سے درد کی لہریں جسم میں پھیل جاتی ہیں۔ اسی منفی سوچ اور قلب کی کڑھن کی وجہ سے مختلف بیماریاں وجود میں آسکتی ہیں۔ دل کا عارضہ بھی ہوسکتا ہے۔ شوگر بھی، بلڈ پریشر کی زیادتی بھی اور ہڈیوں کا درد وغیرہ بھی۔ اللہ ہر آدمی کو اس کے مزاج کے مطابق سزا یا آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اللہ انسان کے مزاج کا پابند نہیں ہے۔ اس کی حکمتیں لاتعداد اسکی سزائیں لاتعداد۔ وہ جس طرح چاہے پکڑے یا آزمائش میں مبتلا کرے۔ لیکن مزاج کے مطابق سزا زیادہ تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ اس عورت کی منفی سوچ

اس کی بیماری کی وجہ تھی۔ اللہ پاک اس عورت کو آہستہ آہستہ گھریلو خدمت سے عاجز کرتا جا رہا تھا۔ جس خدمت جیسی عبادت سے اللہ ملتا ہے یہ عورت اس کو بیکار سمجھ رہی تھی۔ خاوند کی ناقدری علیحدہ، گھریلو کام کو مزوری کا درجہ دینا، گھر گرہستی کو دل کے بوجھ کے ساتھ کرنا، اس کی پکڑ کا بڑا واضح اشارہ تھا۔ آہستہ آہستہ یہ بستر پر پڑ جائے گی اور خدمت جیسی عبادت کی توفیق چھن جائے گی۔ میں اکثر ان عورتوں کے گھریلو مسائل کو کریدتا ہوں جو ہڈیوں کے درد اور جوڑوں کی تکلیف کے ساتھ آتی ہیں۔ ان میں اکثر اسی منفی سوچ کے پہلوؤں کو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ اگر مثبت انداز میں سوچا جائے کہ گھر کے کام کا کتنا اجر وثواب ہے تو شاید ہی کوئی بیماری لگے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کا اپنے گھر میں گھر گرہستی کا کام کرنا جہاد کرنے والوں کے رتبے کو پہنچتا ہے۔ (بہشتی زیور، آٹھواں حصہ ص ۵۱۰)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ایک بیوی ہے جب اس کے پاس آتا ہوں تو وہ کہتی ہے مرحبا ہو میرے سردار کو اور میرے گھر والوں کے سردار کو اور جب وہ مجھ کو رنجیدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے دنیا کا کیا غم کرتے ہو تمھاری آخرت کا کام تو بن رہا ہے۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا اس عورت کو خبر کر دو کہ وہ اللہ کے کام کرنے والوں میں سے ایک کام کرنیوالی ہے اور اس کو جہاد کرنے والوں کا نصف ثواب ملتا ہے۔ (بہشتی زیور، آٹھواں حصہ ص ۵۱۱-۵۱۰)

ان فضائل کو سامنے رکھ کر انسان زندگی گزارے تو کتنا سکون اس کے قلب کو ملے۔ نہ کسی سے گلہ نہ شکوہ۔ حضرت تھانویؒ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے بہشتی زیور میں لکھتے ہیں ''اگر تم سے کوئی دشمنی کرے تو اس سے دشمنی مت کرو کیونکہ اس کی طرف سے پھر تمھارے ساتھ اور زیادہ برائی ہوگی تو تم سے اس کی سہا نہ ہو سکے گی اور اسی دھندے میں لگ جاؤ گی اور دنیا اور دین دونوں کا نقصان ہوگا۔ اس واسطے درگزر ہی بہتر ہے۔ اور اگر کوئی تمہاری عزت وآبرو، خاطر داری کرے یا تمہاری تعریف کرے اور محبت ظاہر کرے تو تم اس دھوکے میں مت آنا اور اس بھروسے مت رہنا کیونکہ بہت کم آدمی ہیں جن کا ظاہر و باطن ایک سا ہو اور بہت کم اطمینان ہے کہ ان کے یہ برتاؤ صاف دل سے ہو۔ اس کی امید ہرگز کسی سے مت رکھو اور جو کوئی تمہاری غیبت کرے تم سن کر نہ غصہ ہو نہ یہ تعجب کرو کہ اس نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا اور میرے حق کا یا

میرے احسان کا یا میرے بڑے ہونے کا یا میرے علاقہ کا کچھ خیال کیا۔ کیونکہ اگر انصاف کر کے دیکھو تو تم بھی خود سب کے ساتھ آگے پیچھے ایک حالت میں نہیں رہ سکتی ہو۔ سامنے اور برتاؤ ہوتا ہے اور پیچھے اور برتاؤ۔ پھر جس بلا میں خود مبتلا ہو اوروں پر کیوں تعجب کرتی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے کسی طرح کی بھلائی کی امید مت رکھو نہ تو کسی قسم کے فائدے پہنچنے کی اور نہ کسی کی نظر میں آبرو بڑھنے کی اور نہ کسی کے دل میں محبت پیدا ہونے کی۔ جب کسی سے کوئی امید نہ رکھو گی تو پھر کوئی تم سے کیسا ہی برتاؤ کرے کبھی ذرا بھی رنج نہ ہوگا۔ اور خود جہاں تک ہو سکے سب کو فائدہ پہنچاؤ۔ اگر کسی کی کوئی بھلائی کی بات سمجھ میں آئے اور یہ یقین ہو کہ وہ مان لے گا تو اس کو بتلاؤ، نہیں تو خاموش رہو۔ اگر کسی سے کوئی فائدہ پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور اس شخص کے لئے دعا کر دو اور کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو یوں سمجھو کہ میرے کسی گناہ کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو اور اس شخص سے رنج مت رکھو۔ غرض نہ مخلوق کی بھلائی کو دیکھو نہ برائی کو۔ بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ پر نگاہ رکھو اور ان سے ہی کام رکھو اور ان کی ہی تابعداری اور یاد میں لگی رہو۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔'' (آمین)　　　(بہشتی زیور ساتواں حصہ ص ۴۵۱-۴۵۲)

کیسی خوبصورت باتیں ہیں۔ ہمارے لئے مثبت سوچ کو پیدا کرنے کا ذریعہ۔ ہمیں چونکہ بدگمانی اور دوسروں سے توقعات بہت ہوتیں ہیں اس لئے شروع میں ذہنی تکلیف کے بعد جسمانی تکالیف شروع ہو جاتی ہیں۔ بیماری کی جڑ تک پہنچتے نہیں ہیں کہ یہ میرے اپنے ہی اعمال کی سزا مجھے مل رہی ہے۔ سزا کا نفاذ اللہ جیسے چاہیں کر سکتے ہیں لیکن یہ سزا بھی کیا کم ہے کہ سکون چھین لیا جائے۔ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے کہ میں کیا سوچ لئے چل رہا ہوں۔ اپنے آپ کو کیسے درست کروں۔ اس سوچ کے رُخ کو کیسے مثبت سوچ کی طرف موڑوں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ میں اپنے آپ کا تزکیہ (باطنی اصلاح) کروں اور اندرونی بیماریوں سے اپنے آپ کو پاک کروں۔ پھر دیکھیں گھر کیسے جنت کا نمونہ بنتا ہے۔

بقول خواجہ مجذوبؒ کے:

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر
سب چھوڑ خیالات بس اک یادِ خدا کر
اللہ نے بخشے تجھے اعضاء پئے طاعت
کر ایک یہی کام نہ کچھ اس کے سوا کر

ملفوظاتِ شیخ۔ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۵۸)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم:

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بڑے ماہرِ فقہ صحابی ہیں سے کسی نے کہا کہ امیر معاویہؓ ایک وتر پڑھتے ہیں اور آپ تین وتر پڑھتے ہیں۔انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں ٹھیک ہوں اور وہ غلط ہیں بلکہ انھوں نے کہا وہ بھی مجتہد ہیں۔لہٰذا مجتہد جس بات کو کرتا ہے وہ دِین ہے۔میرا تین پڑھنا بھی ٹھیک ہے اور اُن کا ایک پڑھنا بھی ٹھیک ہے۔کوفہ کا مدرسہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے چلایا ہے۔کوفہ حضرت علیؓ کا دارالخلافہ تھا۔حضرت علیؓ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کی گدی پر عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھے ہیں۔فقہ ٔ حنفی حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا فقہ ہے۔ان تین صحابہؓ کی تشریحات پر فقہ ٔ حنفیہ مدون ہوا ہے۔

جو آدمی ان اختلافی باتوں کو اچھال کر ان پر لوگوں کو جمع کر کے اور ان باتوں کی تشریح کر کے اور ان پر لوگوں میں اختلاف ڈال کر دوسروں کو غلط کہہ رہا ہو سمجھ جائیں کہ یہ جہالت کی ترتیب چلا رہا ہے اور اختلاف ڈال کر کفر والوں کا مقصد حل کر رہا ہے اور جو توحید، رسالت، اعمال، فضائلِ اعمال، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، شخصیت کی تعمیر، شخصیت کو درست کرنا، اس کو کر رہا ہے سمجھ جائیں کہ یہ تبلیغ کر رہا ہے، تزکیہ کر رہا ہے اور دین کو پھیلا رہا ہے۔

فقہ حنفی بہت عملی (پریکٹیکل) ہے:

فرمایا کہ مدینہ یونیورسٹی میں چند غیر مقلد ہیں جو بہت تنگ کرنے والے ہیں۔انہوں نے تحریر، فتویٰ اور کتابیں مارکیٹ میں نکالی ہیں جس میں چاروں فقہوں کے خلاف لکھا ہوا ہے۔اس سلسلے میں ہندوستان میں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے تقریباً پانچ لاکھ لوگوں کا اجتماع کیا اور سعودی حکومت کو نوٹس دیا کہ آپ کے لوگ دنیائے اسلام کے ۹۸ فیصد اہلِ السنّت والجماعت کے خلاف بول رہے ہیں۔سعودی سفیر کو یہ یادداشت پیش کی۔سفیر جب سعودی عرب گیا اس نے کہا آپ مجھے ایسے ملک میں سفیر بنا رہے ہیں

جہاں پانچ لاکھ کا اجتماع ہمارے خلاف ہوا ہے۔ میں وہاں پر کیا سفارت کروں گا؟ یا اس مسئلے کو حل کرو یا مجھے واپس کرو۔ سعودیوں نے رابطہ کیا اور کہا کہ کچھ ناسمجھ لوگوں نے یہ بات کہی ہے، ذمہ دار لوگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ہندوستان والوں نے کہا کہ تمہاری یونیورسٹی کے جو پی۔ ایچ۔ ڈی اور تخصص کے مقالے ہیں ان میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور تمہارے مسجدِ نبوی کے امام شیخ خذیفی نے دستخط کیا ہوا ہے۔ حکومت نے معافی مانگی اور سرکاری مراسلہ (نوٹیفیکیشن) جاری کیا کہ ہم سختی سے اس بات کو کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کوئی آدمی فقہائے اربعہ (چار امام) کے خلاف کوئی تحریر نہ لکھے اور نہ کوئی بات کرے۔ یہ بات اللہ کے فضل سے ہوئی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں ۶۷ فیصد حنفی ہیں، ۱۵ فیصد شافعی ہیں، ۱۰ فیصد مالکی ہیں اور ۶ فیصد حنبلی ہیں جبکہ دو فیصد میں غیر مقلدین اور دوسرے سارے آرہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی بہت عملی (پریکٹیکل) ہے۔

ایک دفعہ میں پنجاب میں اہلِ حدیثوں کے علاقے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ظہر کی نماز گرمیوں میں ساڑھے بارہ بجے پڑھتے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے جماعت کی نماز میں بیس بائیس آدمی تھے۔ بارہ ہم جماعت والے تھے اور دس ان کے محلے کے۔ اس وقت گرمیوں کا موسم تھا۔ جب لوگ کاموں سے فارغ ہوکر کھانا کھا کر ذرا آرام کر کے آئے تو میں نے دیکھا کہ دو ڈھائی بجے کے درمیان پچاس کے قریب آدمیوں نے آکر اکیلے اکیلے نماز پڑھی۔ میں نے سوچا کہ واقعی عملی وقت احناف کا ہی ہے۔ کام کیا آدمی نے تو تھکا، اس کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے، کھانا کھایا، اب اس کو آرام کرنے کی ضرورت ہے، آرام کرنے کے بعد اب موسم میں ٹھنڈ بھی پیدا ہوگئی۔ ظہر کی نماز کے بارے میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھنی چاہئے، دوسری ہے کہ ظہر میں گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک پیدا کرو، ٹھنڈک جاکر ڈھائی بجے کو ہوتی ہے۔ لہٰذا مستحب وقت گرمیوں میں ظہر کا ڈھائی تین کے درمیان ہے۔ ہماری زندگی ذرا بدل گئی ہے۔ جب ہم گاؤں میں رہتے تھے تو مجھے یاد ہے کہ صبح کھیتوں میں جاکر کام کرتے تھے۔ گیارہ بجے تھک جاتے تھے۔ کھانا کھا کر ساڑھے گیارہ بجے فارغ ہوکر لیٹتے تھے، دو بجے اُٹھتے تھے اور ڈھائی بجے نماز پڑھتے تھے۔ بہت ہی خوشگوار ترتیب تھی۔ یونیورسٹی میں ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے پڑھتے ہیں، ڈیڑھ بجے نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک پروفیسر صاحب کے والد صاحب، جو کہ اہلِ علم تھے، آگئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دو بجے جماعت کی نماز پڑھیں گے۔ مسجد پہنچے تو جماعت ہوچکی تھی۔ انہوں نے کہا اتنی تمہیں سمجھ نہیں ہے کہ تبرید چاہئے ظہر کی نماز

میں یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھنی چاہئے جبکہ تم نے اتنی جلدی پڑھ لی ہے۔ امام صاحب ہمارے ان سے بحث کرنے لگے۔ بات اُلجھ رہی تھی تو میں نے کہا کہ ہمارے یہاں پر چھٹی ایک سوا ایک بجے ہوجاتی ہے، کثرتِ اجتماع ہمیں حاصل ہوتا ہے ڈیڑھ بجے لہٰذا یا تبرید والی ترتیب یا کثرتِ اجتماع کو لیا جائے گا، کثرتِ اجتماع ہمیں ڈیڑھ بجے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب یہ آدمی گھر چلا گیا کھانا کھایا اور کھانا کھا کر سو گیا تو یہ تو چار بجے سے پہلے اُٹھ نہیں سکتا اس کی جماعت تو گئی لہٰذا ہمیں زیادہ فائدہ جماعت کا ڈیڑھ بجے حاصل ہو رہا ہے۔ وہ اہلِ علم تھے اس لئے بات کو سمجھ گئے۔

غیر مسلم کو مسلمان کرنے کیلئے جَبر نہیں ہے اور مسلمان کو فرض عمل پر ڈالنے کیلئے تو ڈنڈا ہے:

فرمایا کہ درس میں ایک آدمی سوال کر رہا تھا کہ جبر تو دین میں نہیں ہے، میں نے کہا آپ جبر کسے کہتے ہیں؟ کہا کہ مثلاً یہ طالبان جو جبر کر رہے تھے، زور سے نماز پڑھا رہے تھے اور زبردستی لوگوں سے ڈاڑھی رکھوا رہے تھے۔ میں نے کہا برخوردار! لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان کرنے کے لئے جبر نہیں ہے اور مسلمان کو فرض عمل پر ڈالنے کے لئے تو ڈنڈا ہے، وہ ٹھیک کر رہے تھے، شریعت کا یہی حکم تھا۔ طالبان کی حکومت صالح حکومت تھی اور حکومت اور اقتدار کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ضروری کاموں کے نہ کرنے پر ان پر جبر کرے۔ اذان کے بعد محتسب بازار سے گزرتے ہوئے سب کی دکانیں بند کرائے گا۔ اب اگر کوئی دکان بند کر کے چھپ کر اندر بیٹھ گیا اور نماز نہیں پڑھی تو اس کی اپنی مرضی ہے لیکن دکان بند کرا کے مسجد کی طرف لے جانے کا جبر کرے گا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں دکاندار اسی طرح دکان بند کر کے اندر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک آدمی سعودی عرب میں سلسلے میں بیعت ہے، اس کی گھر والی نے شکایت کی کہ آپ سے بیعت بھی ہے، ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی ہے لیکن مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا اور یہ کہ میرا نہیں کہو گے کہ بیوی نے شکایت کی ہے۔ خیر جب اس ساتھی نے مکہ مکرمہ سے ٹیلی فون کیا تو میں نے کہا کہ برخوردار! میں جب وہاں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ مسجد میں نظر نہیں آئے، میں نے ساتھیوں سے پوچھا (واقعی پوچھا تھا) تو انھوں نے بھی بتایا کہ آپ مسجد میں نظر نہیں آتے۔ افسوس کہ آپ بڑے دُور ہیں ورنہ میں آپ کی پٹائی کرتا تو پھر آپ ٹھیک ہوجاتے۔

اچھا عمل اور زیادہ عمل:

سورۃ ملک کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ (برکت والی ذات ہے جس کے قبضے میں ہے ملک اور وہ ہے ہر چیز پر قادر) اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیَاتَ (وہ ذات جس نے پیدا کی موت اور زندگی) لِیَبْلُوَکُمْ (تاکہ آزمائے تم کو) اَیُّکُم (کون تم میں) اَحْسَنُ عَمَلاً (اچھا عمل کرنے والا ہے) بزرگ کہا کرتے ہیں ''اکثر عملا'' نہیں کہا گیا ہے کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے بلکہ ''احسن عملا'' اچھا عمل کہ جو عمل اللہ کے دربار میں قبول بھی ہو جائے اور آخرت کیلئے کارآمد بھی ہو یہ احسن عمل ہے۔ اکثر عمل یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے لگے رہتے ہیں۔ اس لگے رہنے کی کوشش بہت زیادہ ہوتی ہے اور فائدہ آدمی کو تھوڑا ہوتا ہے کیونکہ اپنی مرضی سے لگا ہوا ہے۔ پتہ بھی نہیں ہے کہ کیا کریں؟ ایک دن ڈاکٹر محمد صاحب ملنے کے لئے آئے تو وہ کسی کا بتا رہا تھے کہ دو تین بیٹے کام کر رہے ہیں اور حج ان بیٹوں پر فرض ہوا ہے کیونکہ مال ان کا زیادہ ہے۔ خود فرض ادا کرنے کے لئے نہیں جا رہے اور والد کو ایک بیٹا بینک کی کمائی کے حرام پیسوں پہ نفل حج کیلئے بھیج رہا ہے۔ حاجی صاحب بھی جاتے ہوئے خوش ہو رہا ہے۔ اب دین کا فہم ہی نہیں ہے کہ کتنا خرچہ، تکلیف، مشکل، مشقت ہو رہی ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔

سب سے پہلے اپنی فکر ہے پھر دوسرے کی فکر ہے۔ اگر سب کی فکر کرتے رہے کہ سارے جنتی بن جائیں اور میں دوزخی رہا تو کوئی کام بھی نہ ہوا:

فرمایا کہ شاہ ولی اللہؒ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ کو بادشاہ نے بلایا۔ بادشاہ کے دربار کے لحاظ سے اچھے کپڑے پہن کر ملاقات کیلئے روانہ ہوئے۔ آگے گئے تو ایسی جگہ سے گزرنا پڑ رہا تھا جہاں گندے پانی کا جوہڑ تھا اور درمیان میں تنگ سا راستہ تھا۔ اس راستہ پر گئے تو آگے کتا آگیا۔ انہوں نے کہا یا اللہ! کتا آگیا ہے درمیان میں! اگر یہ پیچھے کو چلا جائے اور میرے لئے راستہ چھوڑ دے تو آسانی ہو۔ مگر کتے نے راستہ نہیں چھوڑا تو انہوں نے کتے سے زبانِ حال (یہ ایک کلام کا باطنی طریقہ ہے) سے کلام کیا کہ مجھ پر اللہ کے احکامات ہیں پاک ناپاک کے اور اس کی وجہ سے اگر تُو نیچے گندے پانی میں اُتر جائے اور مجھے راستہ دے دے تو میرے کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔ کتا آگے زبانِ حال سے گویا ہوا۔ اس نے کہا: حضرت صاحب!

اگر آپ نیچے گندے پانی میں اُتر گئے اور آپ کے کپڑے ناپاک ہو گئے تو تھوڑا سا پانی ان پہ ڈال کر آپ ان کو پاک کرلیں گے جبکہ اگر میں نیچے اُتر گیا اور آپ کے قلب میں یہ بات آ گئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے جو قلب پر گندگی آئے گی...اگر سارے سمندر کا پانی بھی اس پر ڈالیں تب بھی صاف نہیں ہوگا۔وہ پانی میں اُترے اور کتے کو راستہ دیا۔اُن کو بتایا گیا کہ آپ کا کتے پر ایک احسان ہوا تھا آج اس کا بدلہ دیا ہے۔آپ ایک مرتبہ گزر کر جا رہے تھے اور راستے میں ایک خارش میں مبتلا کتا تھا اس کو آپ نے اُٹھایا، اس کی خدمت کی، اس کا علاج کیا، اس کو شفا ہوئی تو آپ کی ایک کتے کے ساتھ نیکی ہوئی تھی اس کا بدلہ اس کتے نے دیا ہے۔سُبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت اپنے خاص اَمر سے فرماتا ہے کہ اگر آپ کے دل میں یہ بات آ گئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو یہ گندگی تو سات سمندر کے پانی سے بھی نہیں دھلتی۔ سُبحان اللہ! اسی کوشش میں لگے رہنا ہے کہ سب سے پہلے اپنی فکر ہے پھر دوسرے کی فکر ہے۔اگر سب کی فکر کرتے رہے کہ سارے جنتی بن جائیں اور میں دوزخی رہا تو کوئی کام بھی نہ ہوا۔کیونکہ جس دینی کام سے مجھے اللہ کی رضا حاصل نہ ہو اور میری اصلاح نہ ہو اور مجھے فائدہ نہ ہو تو وہ تو تحریک ہے جس میں زندہ باد مردہ باد ہو کر لوگوں کو جمع کیا، ہڑبونگ، ہلڑبازی ہوئی اور بس وقت گزر گیا۔

صاحبِ ترتیب آدمی اگر قضا شدہ نماز کو نہیں پڑھے گا، پہلے دوسری کو پڑھے گا تو اس کو دوبارہ دھرانا پڑے گی... پہلے قضا پڑھے پھر دوسری پڑھے:

فرمایا کہ ۲۰۰۲ء کا رمضان تھا اور ہمارے ساتھی عمرے کیلئے گئے۔گروپ میں یہاں سے تین آدمیوں کو ساتھ کیا تھا اور چار آدمی ہم تھے۔جہاز سے ہم ایسے وقت اُترے کہ عصر ہم نے نیچے پڑھی۔وہ آدمی تو ہم سے بھٹک گئے، خیر کسٹم وغیرہ ہوا تلاشیاں ہوئی اندر داخل ہوئے۔مغرب کی افطاری وغیرہ کی، اتنے میں ہمارے گروپ والے وہ آدمی بھی آ گئے۔مغرب کی اذانیں ہو رہی ہیں، ان سے کہا کہ عصر کی نماز پڑھی ہے؟ کہا کہ عصر کی نماز تو نہیں پڑھی۔میں نے کہا چلو پہلے افطاری کرو، افطاری کر کے آپ دو دو رکعات عصر پڑھیں تاکہ پھر مغرب پڑھیں کیونکہ صاحبِ ترتیب آدمی اگر پہلے قضا شدہ نماز کو نہیں پڑھے گا، دوسری کو پڑھے گا تو اس کو دوبارہ دہرانا پڑے گی، پہلے قضا پڑھے پھر دوسری پڑھے۔ہمیں اندازہ ہوا کہ کسی آدمی نے کوئی ترغیب وغیرہ دی ہے عمرے کی کہ عمرے سے کاروبار زیادہ ہوتا ہے، برکت ہوتی ہے وغیرہ تو چلے آئے۔

اب اس نفل عمرے سے زیادہ ضروری بات جو تھی وہ فرض نماز تھی جو کہ ان سے قضا ہو گئی۔اسی سال جمعہ کو بڑی عید آئی تھی۔ یہاں ہماری قربانی چل رہی ہے وہاں پر جمعہ کی اذان کا وقت ہو گیا، میں نے قصاب سے کہا کہ کام بند کرو کہ نماز کو جائیں۔تو قصاب کہتا ہے کہ ہم کیا کریں ہمارے تو کپڑے ٹھیک نہیں ہیں؟ میں نے کہا جو کریں آپ کی مرضی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، میری جگہ سے کام بند کرکے نکلیں اور اس جگہ کو خالی کریں۔ کہنے لگے کہ گوشت کو کتے لے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ میری قربانی تو ادا ہو گئی ہے اب کتے لے جاتے ہیں یا جو بھی لے جاتا ہے اس سے ثواب میں فرق نہیں آتا۔ذبیحہ امرِ الٰہی ہے۔ جانوروں کو ذبح کر کے زمین پر خون گرایا تو قربانی ادا ہو گئی۔ گوشت کھانا تو مزید اللہ کا فضل ہے۔ قصاب بڑے عجیب حیران دیکھ رہے تھے کہ یہ عجیب مالک ہے۔لوگوں کا تو جذبہ ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھیں اور کام ختم کریں۔ ہم نے گوشت کے پاس دو تین بچے بٹھا دئے اور قصاب سے کہا کہ یہاں سے فوراً نکلیں۔نماز آپ پڑھیں یا نہ پڑھیں اس پر میں جبر نہیں کرسکتا، وہ آپ کا کام ہے۔اگر حکومتی اختیار میرے پاس ہوتا تو جبر بھی کرتا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

پہلے کی طرح اس سال بھی رمضان کا اعتکاف تین جگہوں پر ہو گا۔

۱۔ جناب الطاف صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیہ کالج یونیورسٹی

۲۔ جناب ڈاکٹر قیصر صاحب، پروفیسر انجینئر نگ یونیورسٹی

۳۔ حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ، خانقاہ، آبدرہ پشاور

خانقاہ میں پورے مہینے اعتکاف کی سہولت موجود ہے۔

پورے رمضان میں ان تینوں جگہوں پر مغرب کو مجلس ذکر ہو گی اور افطار بھی وہیں ہو گا۔

ایک دینی مدرسہ جو ویران ہو گیا
اور
ایک خاندان جو تباہ ہو گیا

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

میں بیٹے کے سسر کی ملاقات کے لئے اکوڑہ خٹک گیا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ جلدی مسجد پہنچنے کے لئے ساتھی نے ایک ویران عمارت کے درمیان سے گزار کر مسجد پہنچایا۔ عمارت کے کمروں کے دروازے اور کھڑکیاں اکھاڑی ہوئی تھیں۔ کمروں اور ہالوں میں انسانی ٹٹی پڑی ہوئی تھی۔ ایسے معلوم ہوا کہ اس عمارت کو لوگ بارش کے دوران قضائے حاجت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ یہ ایک بڑا دینی مدرسہ ہوا کرتا تھا جس میں دورۂ حدیث ہوا کرتا تھا۔ دارالعلوم حقانیہ سے بھی پرانا تھا۔ شہرت اتنی تھی جس طالب علم کو یہاں داخلہ نہیں ملتا تھا وہ داخلے کے لئے دارالعلوم حقانیہ جایا کرتا تھا۔ قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ اس کے بانی تھے۔ ان بزرگوں نے اپنے بیٹے کو دیوبند سے دورہ کروا کر عالم بنایا۔ وہ اسی مدرسے میں مدرس ہو گئے۔ قادریہ بزرگ کی وفات کے بعد مدرسے کے حالات بدل گئے۔ اساتذۂ کرام کا جو اعزاز ہونا چاہئے جب انھیں نہ ملا تو اونچے درجے کے اساتذہ مدرسے سے تعلق ختم کرنے لگے۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحبؒ کامل پوری جو حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے خلیفہ تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بھی مدرس رہ چکے تھے اپنا شیخ الحدیث کا عہدہ چھوڑ کر چلے گئے۔ بندہ کے بیٹے کے سسر نے ہی بتایا کہ کسی صالح آدمی کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے مدرسے کے بارے میں فرمایا کہ جب یہاں سے عبدالرحمان کامل پوری صاحب چلے گئے تو ہم بھی چلے گئے۔ حیرت انگیز طریقے سے مدرسے کا زوال شروع ہو گیا۔ قادریہ بزرگ کے مہتمم بیٹے نے ایک عجیب کام یہ کر لیا کہ اپنے بعد مدرسہ شوریٰ کو حوالے کرنے کی بجائے اپنے بیٹے کا نام پر لکھ دیا۔ بیٹا دینی علم حاصل کر رہا تھا۔ دلچسپی نہیں تھی۔ والد صاحب نے اٹھا کر مدینہ یونیورسٹی بھیج دیا۔ ابھی علم مکمل نہیں ہوا تھا کہ والد صاحب کی وفات ہو گئی۔ برخوردار علم چھوڑ چھاڑ مدینہ سے واپس ہو کر مہتمم اور گدی نشین ہو گئے۔ جو آدمی خود عالم اور مدرس نہ ہو وہ مدرسہ کیسے چلائے گا۔ جب اپنے لوگوں نے گھاس نہ ڈالی تو بریلوی حضرات نے آکر اسے جبہ پہنا کر ظلِ سبحانی، شاہبازِ لا مکانی، پیرِ طریقت اور رہبرِ شریعت بنا کر گدی نشین کر دیا۔ دوسرے بھائی کو اس پر سخت مقابلہ آرائی محسوس ہوئی

اور اٹھ کر اسے قتل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد قاتل کو محسوس ہوا کہ پٹھانوں کے قوانین کے مطابق اس قتل کے بدلے میں مجھے قتل کریں گے چنانچہ مدرسہ اپنے نابالغ بیٹے کے نام پر لکھ دیا۔ ہوا وہی جو اس کی سوچ تھی۔ بدلے میں وہ قتل کر دیا گیا۔ ملکیت چونکہ نابالغ کی تھی اس لئے اس میں کچھ تصرف اور مداخلت نہیں ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسے کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ واقعی وہی مدارس کامیاب چلے ہیں جو اہل حضرات کی شوریٰ کے زیرِ نگرانی رہے ہیں اور پختہ اہلِ علم ان کے مہتمم اور ذمہ دار رہے ہیں۔ ہائے افسوس خاندان میں اور گردوپیش میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ان صاحبزادگان کو سمجھاتا کہ گدی نشین ہونا اور مہتمم ہونا کوئی خاص بات نہیں بلکہ محنت کر کے وہ علم حاصل کرنا چاہئے جو آباؤ اجداد کو حاصل تھا اور محنت کر کے تصوف کے مقامات طے کر کے باطنی اصلاح حاصل کرنی چاہئے جو آباؤ اجداد کو حاصل تھی جس کی بنیاد پر ان کو اتنے وسائل حاصل ہوئے کہ وہ ایک مدرسہ بنانے کے قابل ہوئے۔

۱۹۸۰ء میں بندہ کی دیوبند کی صد سالہ تقریبات میں حاضری ہوئی۔ پوری دنیائے اسلام سے چالیس پچاس شخصیات سٹیج پر بیٹھتی تھیں۔ بندہ کے شیخ و مربی جناب حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ بھی سٹیج پر بیٹھتے تھے۔ چونکہ وہ پیروں سے معذور تھے اس لئے بندہ کو ان کے ساتھ بطور خادم بیٹھنا پڑتا تھا۔ فوری کوئی مسئلہ فیصلے کے لئے آ گیا۔ حضرت قاری طیب صاحبؒ جو صدر مدرس اور مہتمم تھے ان سے پوچھا گیا۔ انھوں نے فوراً فرمایا کہ اس میں شوریٰ کی رائے لینی ہوگی۔ جلدی جلدی شوریٰ کے تین ارکان کو لایا گیا۔ ان سے مشورہ کرنے کے بعد آپ نے فیصلہ کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ جو قرآن و حدیث کے علم کے سمندر، تقویٰ اور معرفت میں اپنی مثال آپ، عقلی علوم، منطق و فلسفہ کے کوہ ہمالیہ، لیکن اپنے آپ کو اتنا شوریٰ اور مشورے کا پابند سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے گھر پر تبلیغی حضرات کا مشورہ تھا۔ اس مشورے میں اس وقت کے پاکستان کے تبلیغی جماعت کے امیر جناب حاجی بشیر صاحب مرحوم سابق ڈائیریکٹر جنرل ٹیلیفون مشرقی و مغربی پاکستان بھی آئے ہوئے تھے۔ حاجی بشیر صاحب نے اپنے بیٹے حضرت مولانا احسان صاحب کو فارغ التحصیل عالم بنا کر اور حضرت شیخ مولانا ذکریا صاحبؒ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت دلوا کر رائیونڈ کے لئے وقف کیا تھا۔ ایک بات پر فیصلہ کرنے کی نوبت آئی۔ حاجی بشیر صاحب نے فوراً فرمایا: ''میں رائیونڈ کی شوریٰ سے رائے لئے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتا۔'' ان دونوں واقعات میں اداروں کے لئے بہت راہنمائی ہے۔

تابوتِ غلام محمد اور سانپ

(حضرت مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب، خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

۱۷/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اس وقت کے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے اس وقت کے وزیر خزانہ سابقہ سیکرٹری خزانہ غلام محمد کو گورنر جنرل بنا دیا اور خود وزیر اعظم بن گئے۔ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے غلام محمد نے درج ذیل اقدامات کئے:

(۱) خواجہ ناظم الدین کو ہٹا کر اس کی جگہ محمد علی بوگرہ کو نیا وزیر اعظم مقرر کیا۔

(۲) پہلی آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا۔

غلام محمد نے جو کہ نفس اور شیطان کا غلام تھا، نے نفس، شیطان اور انگریز کے دو اور غلاموں مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کی خوب مدد کی۔ چنانچہ غلام محمد ہی کے دور میں تحریک ختم نبوت کے جلوسوں پر فائرنگ کی گئی جس میں ہزاروں لوگ شہید ہو گئے۔ اس کے علاوہ غلام محمد کے دور میں جب نفاذِ شریعت کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو غلام محمد نے ایک سیکشن افسر اور مشہور ابلیسی کارکن غلام احمد پرویز کو سرکاری فنڈ دے کر قبل از وقت ریٹائر کر کے اس کام پر لگا دیا کہ شریعت کی ایسی تشریح کی جائے جس میں شریعت ہی کے نام پر ساری شریعت کو معطل کر دیا جائے۔ اس راستے میں پرویز کو سب سے بڑی رکاوٹ احادیثِ رسول اللہ ﷺ نظر آئیں۔ چنانچہ احادیث کا انکار کر کے منکرِ حدیث ہو گیا۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۵ء کو سکندر مرزا نے غلام محمد کو معزول کر دیا۔

غلام محمد نے چونکہ مسلمانانِ پاکستان کے دینی جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی تھی اس لئے موت کے بعد اس کو گورا قبرستان میں امانتاً دفن کیا گیا تاکہ موت کے بعد مسلمان اس کی قبر کو ہی مسمار نہ کر دیں یا لاش کو نکال کر بے حرمتی نہ کریں۔ بعد میں غلام محمد کی وصیت کے مطابق لاش کو تدفین کے لئے سعودی عرب منتقل ہونا تھا۔

روزنامہ اسلام کے لکھاری عتیق احمد صدیقی ۳۱ مئی ۲۰۱۴ء کو لکھتے ہیں۔ ''کئی برس پہلے کی بات ہے ایک دوست کے گھر اردو ڈائجسٹ کا پرانا شمارہ دیکھا۔ ورق گردانی کے دوران ایک مضمون نظر آیا 'وصیتیں جو پوری نہ ہو سکیں'۔ مصنف کا پورا نام یاد نہیں، صرف مسعود ذہن میں رہ گیا ہے۔ مضمون میں کچھ معروف شخصیات کی تشنہ تکمیل وصیتوں کا ذکر تھا جن میں پاکستان کے سابق گورنر جنرل غلام محمد بھی شامل تھے بلکہ پہلا تذکرہ انہی کا تھا۔ مصنف نے غالباً اپنے بڑے بھائی کے ایک دوست کا بیان کردہ واقعہ تحریر کیا تھا جو اس دوست ہی کی زبانی

کچھ یوں تھا۔ 'ایک روز میں اپنے ایک ڈاکٹر دوست سے ملنے گیا تو انہوں نے کہا ' آج سابق گورنر جنرل پاکستان غلام محمد کا تابوت قبر سے نکالا جارہا ہے۔ میں وہیں جا رہا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی چلنے کی دعوت دی، جو میں نے قبول کر لی۔ گورا قبرستان پہنچے تو وہاں فوج اور پولیس کے دو آفیسر، کچھ سپاہی، دو گورکن اور غلام محمد کے کچھ قریبی عزیز موجود تھے۔ ہمارے پہنچنے پر گورکنوں نے قبر سے مٹی ہٹائی، پھر تختے اکھاڑے تو دیکھا کہ قبر کے اندر ایک سانپ بڑے غیظ وغضب کے عالم میں تابوت کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ وہاں موجود سبھی لوگ یہ منظر دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ گورکنوں نے لاٹھی سے سانپ کو مارنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے، جس پر پولیس آفیسر نے اپنے پستول سے اس پر فائر کئے اور پستول خالی کر دیا مگر کوئی گولی سانپ کو نہ لگ سکی۔ تب ڈاکٹر نے بازار سے کیمیکل منگوایا اور گورکنوں سے کہا کہ وہ یہ کیمیکل اپنی ناک پر کپڑا لپیٹ کر قبر میں چھڑک دیں اور قبر کو دوبارہ ڈھانپ دیں۔ خود ڈاکٹر و دیگر لوگوں کے ساتھ دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ گورکن نے کیمیکل چھڑک کر دوبارہ قبر کو ڈھانپ دیا۔ آدھا گھنٹہ گزرنے کے بعد ڈاکٹر نے دوبارہ قبر کھولنے کو کہا اور ساتھ ہی قبر کو کھولتے ہی ناک پر کپڑا ضرور رکھ لینے کی تاکید بھی کی۔ گورکن نے قبر سے تختے ہٹا کر قبر میں جھانک کر دیکھا تو سانپ کو پہلے ہی کی طرح تابوت کے گرد چکراتے دیکھا۔ اس کے غیظ وغضب اور رفتار میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ گورکن کے یہ بات بتانے پر سبھی نے اپنی ناکوں پر کپڑے رکھ کر قبر میں جھانک کر دیکھا تو گورکن کی کہی بات کو درست پایا۔ ڈاکٹر نے پریشانی اور تشویش سے کہا کہ اس مہلک کیمیکل سے تو اس سانپ کو مر جانا چاہئے تھا مگر نہ جانے یہ کیا بلا ہے؟ وہ لوگ تو پہلے ہی بہت پریشان تھے بلکہ خوف زدہ تھے اور جلد سے جلد وہاں سے چلے جانا چاہتے تھے۔ بس طے پایا کہ قبر کو بند کر دیا جائے۔ جس پر گورکنوں نے قبر کو دوبارہ بند کر دیا۔ بعد ازاں اخبارات میں خبر شائع ہوئی تھی کہ سابق گورنر جنرل ملک غلام محمد کی میت اب سعودی عرب منتقل نہیں ہو گی۔ میت کراچی میں دفن رہے گی''۔ (عتیق احمد صدیقی صاحب کا مضمون ختم ہوا)

فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ بلاشبہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر اس (کے عذاب) سے نجات پا گیا تو اس کے بعد جو کچھ ہے اس سے زیادہ آسان ہے اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد جو کچھ ہے، اس سے زیادہ سخت ہے اور فرمایا کہ میں نے جب بھی کبھی کوئی منظر دیکھا تو قبر کے منظر کو اس سے برا ہی پایا۔

(ترمذی عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ 'جواہر الحدیث' تالیف مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ)

آہ! حاجی غلام حسین صاحب

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدامحمد صاحب دامت برکاتہ)

حاجی غلام حسین صاحب تقریباً اسی سال کی عمر پا کر بروز اتوار ۱۹ رجب ۱۴۳۵ھ بمطابق ۱۸ مئی ۲۰۱۴ء کو وفات پا گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے شام تبلیغی مرکز پشاور میں جنازہ ہوا۔ مرحوم محکمہ صحت سے اسٹنٹ ڈائریکٹر ریٹائر ہوئے تھے۔ عملی زندگی کا آغاز پشاور یونیورسٹی سے جونیئر کلرک کے طور پر کیا۔ مختلف کالجوں میں کام کرتے ہوئے خیبر میڈیکل کالج کے پرنسپل کے پرسنل اسسٹنٹ (PA) تعینات ہوئے۔ جب خیبر میڈیکل کالج پشاور یونیورسٹی سے علیحدہ ہو کر محکمہ صحت کے حوالے ہوا تو حاجی صاحب بھی محکمہ صحت کے ملازم ہو گئے۔

غلام حسین صاحب ۶۲۔۱۹۶۱ء میں تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گئے تھے اور چار مہینے کی تربیتی ترتیب سے گزر کر خوب محنت سے کام کرنے لگ گئے تھے۔ اس دور میں تبلیغی تحریک حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بنیادی اصولوں پر سختی سے کاربند تھی۔ چنانچہ تبلیغی فائدہ عام کی ترتیب سے گزرنے کے بعد حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ اس بات کا خاص اہتمام کرواتے تھے کہ کسی کامل شیخ سے بیعت ہو کر تفصیلی اصلاحی تکمیلی تربیت سے گزرا جائے۔ اس ضمن میں حاجی غلام حسین صاحب بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت پشاور مرکز کے امیر بھی تھے، سے بیعت ہو گئے، ان کی مجلس میں حاضری کی پابندی کرتے رہے اور ان کی تربیت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جونیئر کلرک سے ترقی کرتے ہوئے PA لگے۔ پھر ایڈمینسٹریٹو آفیسر خیبر میڈیکل کالج مقرر ہوئے۔ محکمہ صحت کو ہومیوپیتھی اور حکیموں کے شعبے کے لئے ایک نان ڈاکٹر اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے لئے حاجی صاحب کا ہی انتخاب ہو گیا۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ محکموں میں وہ آدمی ترقی کرتا ہے جو ماڈرن ہو، اچھا انگریزی لباس پہنتا ہو، انگریزی بولنے کی ایکٹنگ کر سکتا ہو، جبکہ حاجی صاحب مکمل باشرع، سادہ اسلامی لباس پہننے والی شخصیت، کم گو، دوسروں کی بات پوری توجہ سے سننے والے، سادہ پشتو میں ایک دو جملوں میں بہت واضح دانشمندانہ جواب دینے والے، سردیوں میں اکثر چترالی چغا پہننے والے لیکن محنتی،

دیانتدار، بااخلاق، خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار۔ اپنے اس رویے سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ ترقی کی بنیاد ماڈرن بننا نہیں ہے بلکہ محنت دیانت اور خوش اخلاقی ہے جس کی بنیاد پر اللہ کی رضا اور تائید حاصل ہوتی ہے اور یہ تائید دنیا و آخرت کی ہر ترقی کا دروازہ کھولتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے کہ میڈیکل کالج کے پرنسپل ایک پروفیسر صاحب لگ گئے جو اہلِ تشیع میں سے تھے۔ ان کے بے جا رویے سے ان کے خلاف بہت ہڑتالیں ہوئیں۔ لوگوں نے پرنسپل کے کان بھرے کہ تمہارے راز غلام حسین فاش (Leak) کرتا ہے اور تمہارے خلاف فضاء بننے کا ذمہ دار ہے۔ پرنسپل نے بلا کر بہت باتیں سنائیں اور لوگوں کے الزامات دہرائے۔ انھوں نے پورے تحمل کے ساتھ سن کر جواب دیا۔ 'یہ سارے الزامات جو لوگوں نے آپ کو پہنچائے ہیں خلافِ واقعہ ہیں۔ ان لوگوں سے ان کے کوئی ثبوت مانگیں' ۔ بات معقول تھی۔ پرنسپل صاحب بالکل مطمئن ہو گئے۔

بندہ پر موصوف کے بہت احسانات تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے رابطہ کیا کہ کیا اس نام کی لڑکی جو تمہاری کلاس میں ہے، کے ساتھ تمہارے کچھ اختلافات ہو گئے ہیں۔ بندہ نے پوچھا نہیں کیا ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ اس نے تمہارے خلاف خط لکھا ہوا ہے اور لکھا ہے کہ اس دفعہ ڈاکٹر فدا کو ایگزامینر (Examiner) نہ لگایا جائے۔ بندہ نے بتایا کہ لڑکی جماعت اسلامی کی ہے اس لئے اس نے یہ جھوٹا خط لکھا ہے۔ پھر وہ خط انھوں نے کچرے (Dust Bin) کی زینت بنا دیا۔

تبلیغی مرکز کی لیڈر شپ تو شوریٰ کے اراکین کے پاس ہوتی تھی لیکن عملی خدمت اور کام حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے مریدین ہی کرتے تھے جن میں سب سے زیادہ فعال (Active) غلام حسین صاحب ہی ہوتے تھے۔ بندہ نے پشاور یونیورسٹی کی جامع مسجد مدینہ مسجد میں تربیتی اعتکاف شروع کیا۔ اس طرح کا اعتکاف حضرت شیخ مولانا ذکریا رحمۃ اللہ علیہ شروع کر چکے تھے۔ بندہ نے اپنے شیخ جناب حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی اجازت سے ابتداء کر دی۔ حیرت انگیز نتائج سامنے آئے۔ لوگوں کی زندگیاں صرف دس دن کے دوران میں بدلیں۔ غلام حسین صاحب نے بتایا کہ مرکز کی شوریٰ والوں نے مدینہ مسجد کے کسی مقامی شخص سے تمہارے خلاف خط لکھوایا ہوا ہے کہ اس نے ایک نیا فتنہ شروع کر دیا ہے اور یہ خط شوریٰ والے تمہارے خلاف رائے ونڈ کی شوریٰ میں رپورٹ کرنے کے لئے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

بہر حال میں نے وہاں بھیجنے سے پہلے ہی اسے تلف کروا دیا۔ بندہ ایک دفعہ یونیورسٹی سے سہ روزہ کی جماعت وصول کر کے مرکز لے گیا۔ عموماً میں عشاء کے بعد ہی پہنچتا تھا۔ اس وقت شوریٰ کے لیڈر حضرات جا چکے ہوتے تھے۔ تشکیل کے شعبے والے تشکیل کر دیتے تھے۔ ہم اس طرح وقت گزار کے آجاتے تھے۔ اب کے جو عشاء کے بعد پہنچے تو دیکھا حاجی احمد گل صاحب رات کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پتہ چلا کہ ریٹائر ہونے کی وجہ سے رات کا قیام کرتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد حاجی صاحب بیان کے لئے بیٹھ گئے۔ بندہ نے سوچا کہ مجھے بیٹھا ہوا دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں بیان شروع کر دیں گے جس میں مدارس، جہاد اور خاص طور سے تصوف کے بارے میں تقابل، تنقید، تردید، تنقیص شروع کر دیں گے اور تبلیغ کے کام کو ہی واحد دین کا کام کر کے پیش کریں گے، اس سے ان کو بھی آخرت کا نقصان ہوگا اور بندہ کے دل پر بھی بوجھ آئے گا، اس لئے بندہ پروفیسر عالمگیر کو لے کر تخی چشمہ کی سیر کے لئے نکل گیا۔ میری واپسی ہوئی تو تشکیل والوں نے بتایا کہ آپ کی جماعت کے بارے میں بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس جماعت کو واپس اپنے گھر یونیورسٹی بھیج دیا جائے تاکہ وہاں کام کریں۔ بندہ نے سوال کیا کہ بزرگوں سے پوچھیں کہ اللہ کے راستے میں نکلی ہوئی جماعت کو گھر واپس کیا کرتے ہیں یا آگے تشکیل کیا کرتے ہیں۔ وہ آدمی آیا کہ بزرگ کہتے کہ ڈاکٹر فدا کو واپس کر دو اور باقی جماعت کی تشکیل کر دو۔ بندہ نے اس ساتھی سے عرض کیا کہ برخورداران نوجوان طلباء کو ان کے والدین پروفیسر حضرات نے میرے ساتھ بھیجا ہے، کسی اور کے ساتھ نہ بھیجیں گے۔ اتنے میں غلام حسین صاحب آ گئے۔ انھوں نے مداخلت کر کے ہماری تشکیل کرادی اور اس طرح ہم حاجی احمد گل صاحب کی گرفت سے نکل گئے۔

حاجی غلام حسین صاحب صرف پھرنے اور بولنے والے تبلیغی نہیں بلکہ اعمال کے پابند، ذاکر شاغل، معاملات درست رکھنے والے، اسلامی معاشرت کا نمونہ تھے۔ کبھی کسی سے تو تو میں میں کی نوبت نہیں آئی۔ اپنے تبلیغی ساتھیوں بلکہ عام مسلمانوں کا دکھ درد میں ساتھ دینا ان کا شیوہ تھا۔ کتنے ہی آدمیوں کو سرکاری ملازمتیں بغیر کسی لالچ کے دلائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے یہ سارے اعمال قبول فرما کر ان کے لئے آخرت کا سرمایہ بنائے۔ بندہ کے سلسلہ کے دوستوں نے ان کے ایصالِ ثواب کے لئے ختم کیا۔ اللہ قبول فرمائے۔ (آمین)

ھائے پیسہ وائے پیسہ۔ فنا فی المال

(ایسوسیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

ایک مریض میرے کلینک آیا۔ ظاہراً اچھی شکل وصورت والا، چہرے پر ظاہری شریعت کے آثار تھے۔ میں نے اس کے معائنہ سے پہلے اس کی شکایات سنیں۔ اس نے اپنے متعلق یہ معلومات دیں 'میں کافی عرصہ سے ایسی بیماری میں مبتلا ہوں جس کی ڈاکٹر حضرات تشخیص صحیح طور پر نہیں کر رہے یا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں کہ میری تشخیص صحیح ہو جائے۔ (عموماً ایسے جملے اکثر ڈاکٹروں کو مریض خوشامداً کہا کرتے ہیں تاکہ نفس اپنی تعریف سن کر اندر سے خوش ہو کر مریض پر توجہ زیادہ دے) میں اکثر تھکا تھکا رہتا ہوں، کمر کے درمیانی حصہ سے لے کر نیچے تک سخت درد ہوتا رہتا ہے، کمر پر بوجھ سا محسوس ہوتا ہے، سر پر بوجھ ختم ہی نہیں ہوتا، رات کو اکثر نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں بوجہ جسم میں درد کے' اس نے اپنے کاغذات دکھائے جس میں کوئی خاص بیماری نہیں لکھی ہوئی تھی۔ درد کی گولیاں، کچھ طاقت کے کیپسول کے علاوہ کوئی خاص دوا بھی نہیں تھی۔ میں نے اس کا معائنہ کیا۔ ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ جڑے پٹھے میں تناؤ کی کچھ اثرات کے علاوہ معائنہ میں کوئی خاص علامت نہیں ملی۔ میں نے پوچھا آپ کرتے کیا ہیں؟ اس نے جواباً کہا کہ میں مسجد میں امام ہوں۔ اسی مسجد میں جب موجود ہوں تو درسِ قرآن کے ذریعے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا رہتا ہوں۔ میں نے پوچھا جب موجود ہوں سے کیا مراد ہے؟ تو کہا کہ اکثر پنجاب کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتا رہتا ہوں (اس جواب کے دوران اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی) میں نے دوروں سے مراد چندوں سے لی۔ اکثر علماء حضرات اپنے مدرسوں کے لئے مختلف علاقوں سے چندے وصولی کے لئے جاتے رہتے ہیں۔ میں نے مزید معلومات لیں تو جواب مجھے حیران کرنے کے لئے کافی تھا۔ وہ اپنے علاقے سے مختلف ہتھیار تیار کر کے اپنی کمر پر باندھ کر پنجاب کے مختلف علاقوں کو پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا کہ راستے میں پولیس تنگ نہیں کرتی اور پکڑتی نہیں ہے تو مسکرا کر کہا کہ ان کی مٹھی بھر دیتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں نہیں تو اکثر جیل کی ہوا بھی کھانی پڑتی ہے۔ کوئی اٹھارہ بیس دفعہ جیل بھی جا چکا ہوں لیکن کیا کروں اس دھندے کو چھوڑ نہیں سکتا اس لئے کہ کمانے والا ایک ہوں اور کھانے والے اٹھارہ۔

مولوی کی کیا تنخواہ ہے، ایک تو لوگ دیتے نہیں ہیں اور اگر دیتے ہیں تو وہ بھی احسان جتا کر۔ تو کیا ضروری ہے کہ ہم ان کے محتاج رہیں۔ اپنا دھندہ اختیار کر کے خود کفیل ہونا چاہئے۔ میں نے اس کے ساتھ مزید گفتگو جاری رکھنا فضول گردانا کیونکہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے انتہائی ناقص حالت میں تھا۔ جب عقیدے میں نقص آجائے تو اس نقص کی جڑیں گہری سے گہری تر ہوتی جاتی ہیں۔ اپنے غلط انداز کو دلیلیں سوچ کر صحیح سمجھنا اور دوسروں کو نصیحت کے لئے قسما قسم کی مثالیں ڈھونڈنا، اس کی تو اہلِ عمل کو مشق ہوتی ہے لیکن اپنے تزکیہ کا نہ کبھی سوچا نہ کیا۔ ہمارے حضرت صاحب عقیدۂ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ توحید کے بارے میں اکثروں کو معلومات حاصل ہیں اور توحید توحید، یقین یقین کی رٹ بھی لگاتے رہتے ہیں لیکن جب اس توحید کو برتنے کا وقت آتا ہے تو دنیا کا مفاد مقدم ہو جاتا ہے۔ عقیدۂ توحید شکست کھا جاتا ہے اور ہائے پیسہ وائے پیسہ کا عقیدہ جیت جاتا ہے۔ اس مولوی صاحب کو میں نے دوا لکھ کر رخصت کر دیا۔ چونکہ نماز، روزہ ظاہری اعمال کی پابندی کر رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ اس نہ سمجھ آنے والی بیماری میں مبتلا تھا۔ ایک طرح کی پکڑ ہی تھی کہ شاید اس بات کو سمجھے اور توبہ تائب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ آخر تک موقع دیتے رہتے ہیں۔ اگر موت سے پہلے سمجھ جائے تو آخرت کا فائدہ ہو جاتا ہے ورنہ اسی باطنی بیماری میں مبتلا ہو کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور خاتمہ بالسوء ہونے کے خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے سوئے خاتمہ کے دو درجے لکھے ہیں۔ پہلا درجہ شدید تر ہے کہ جس وقت قلب پر موت کے سکرات اور اس کا غلبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک یا انکار میں مبتلا ہو جائے اور اسی حالت میں مر جائے۔ یہ شک اور انکار ایسی گرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے مابین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حجاب پیدا کر دیتی ہے اور حجاب دائمی دوری اور عذاب کو مقتضی ہے۔ سوئے خاتمہ کی دوسری صورت جو درجے میں اس سے کم تر ہے یہ ہے کہ بندہ کے دل پر موت کے وقت دنیاوی امور میں سے کوئی امر، یا اس کی شہوت میں سے کوئی شہوت غالب آئے اور دل و دماغ پر چھا جائے یہاں تک کہ اس کے تمام حواس اسی شہوت میں مشغول ہو جائیں۔ اگر اتفاق سے اسی حالت میں روح قبض ہو جائے تو وہ غیر اللہ کے اپنے قلب میں استغراق کی بناء پر دنیا کی طرف متوجہ ہوگا اور یہ صورت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان حجاب کی صورت ہے۔ حجاب سے عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آگ بھڑکائی ہے وہ صرف محجوبین (جن کے دل پر پردہ ہو) کو خاکستر کرتی ہے۔ دنیا کی محبت غالب ہونے کی حالت میں جان نکلنا بھی

ایک خطرناک معاملہ ہے کیونکہ آدمی اسی صفت پر مرتا ہے جس پر وہ زندہ تھا۔ وہ مؤمن جو قلبِ سلیم (بیماری سے پاک دل) رکھتا ہو، دنیا سے غافل ہو اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس سے آگ یہ کہتی ہے کہ اے مؤمن جلدی گزر، تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دئے ہیں۔ (احیاء العلوم جلد چہارم ص ۲۶۵)

میری ایک مسجد میں عشاء کی نماز آئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ایک آدمی نے تعلیم شروع کی۔ میں بھی سعادت سمجھ کر اس میں بیٹھ گیا تا کہ ان پر پڑنے والی سکینہ اور رحمت میں سے کچھ مجھے بھی مل جائے۔ تعلیم مختصر تھی لیکن تعلیم کے بعد بیان تھوڑا لمبا تھا جس میں ساتھی نے خوب ترغیب دی اور ایمان و یقین کی بات کی۔ تعلیم کرنے والے کو میں جانتا تھا۔ اس کا حال ہی کا ایک واقعہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا کیونکہ جو کچھ وہ بول رہا تھا، اس کے برعکس اس نے برتا تھا۔ وہ ایک سرکاری جگہ پر ملازمت کے ساتھ پرائیویٹ جگہ پر بھی ملازمت کرتا تھا۔ سرکاری جگہ پر ڈیوٹی دو بجے سے شام آٹھ بجے اور پرائیویٹ جگہ پر ڈیوٹی صبح آٹھ بجے تا دو بجے تھی۔ چونکہ دونوں جگہوں پر ڈیوٹی بجلی کے کام کے متعلق تھی اس لئے سرکاری جگہ پر بجلی کے چلے جانے پر جنریٹر چلانا بھی اس کی ذمہ داری میں داخل تھا، خرچے کا حساب کتاب رکھنا اور جو ڈیزل خرچ ہو اس کا بل کے مطابق پیسے وصول کرنا بھی اس کے ذمے تھا۔ اس کے اوپر کے افسر نے اسے کہا کہ ڈیزل اگرچہ کم خرچ ہوتا ہے لیکن تم پمپ سے بل زیادہ بنوا کر میرے حوالے کیا کرو۔ اس آدمی نے اس غلط بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ بات جھوٹ میں داخل ہے، حکومت کے ساتھ دھوکہ ہے، میں یہ ہرگز نہیں کروں گا۔ اس اوپر والے افسر نے لالچ بھی دیا کہ دیکھو کچھ پیسے تمہیں دے دیں گے اور باقی ہمارے، تم اگر نہیں لینا چاہتے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن ہماری آمدنی میں خلل نہ ڈالو۔ اس آدمی نے صاف انکار کر دیا۔ اس افسر کو اس کی دوسری نوکری کا علم تھا کہ صبح کے وقت کرتا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر اس نے اس کی ڈیوٹی شام سے صبح کر دی کہ اس سے یا تو ایک نوکری چھٹ جائے گی یا یہ مجبور ہو کر ہماری بات مان لے گا۔ اب یہ آدمی بڑی پریشانی میں مبتلا ہو گیا کہ کرے تو کیا کرے۔ اگر اس افسر کی بات کو مانتا ہوں تو ایمان پر چوٹ پڑتی ہے اور اگر نہیں مانتا تو دنیا پر چوٹ پڑتی ہے۔ بڑی منتیں کیں اور سفارش بھی کرائی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ وہ افسر بھی اپنے خبیث باطن کی وجہ سے ضد پر قائم رہا۔ ایک دو یا تین دن تک تو پرائیویٹ نوکری سے چھٹی مل سکتی ہے لیکن پورا مہینہ تو کوئی چھٹی نہیں دیتا۔ یہ ان دنوں عجیب کشمکش میں مبتلا رہا۔ آخر ایمان ہار گیا اور دنیا جیت گئی۔ دنیا کا مفاد مقدم ہو گیا۔ اللہ کے رازق ہونے کی رٹ زبان سے زبان کو تو متاثر کرتی رہی لیکن قلب میں جاگزیں نہ ہو سکی۔

قلب سے وہی صدا آئی جس سے قلب منور تھا۔اس بندہ نے ہار مان لی۔جعلی بل بنا کر اس آدمی کے حوالے کئے اور اپنی ڈیوٹی پھر شام کو بدلوا دی اور آئندہ بھی تابعدار رہنے کا اعلان کیا حالانکہ اگر وہ اللہ کے دین پر غیرت کرتا اور دنیا کے مفاد کو لات مارتا تو اللہ تعالیٰ اسی ایک نوکری میں برکت کے دروازے کھولتا لیکن ہم نے برکت کا نام تو سنا ہوتا ہے لیکن یہ ہوتی کیا ہے، اس کا مفہوم عملاً کیسا ہے، اسے کبھی محسوس نہیں کیا ہوتا۔عموماً ہم لوگ پیسے کی زیادتی کو برکت سمجھتے ہیں، کہ ایک روپے کے دس بن جائیں اور دس کے سو۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''برکت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ تھوڑی چیز زیادہ ہوجاتی ہے کہ بازار سے تولائے ایک من اور گھر پر آکر اترے دو من، اگرچہ کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ایک سخی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپیہ رکھتے تھے اور کام انہوں نے شروع کر دیا تھا۔جب ضرورت ہوتی اسی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا، حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا، لیکن یہ بہت کم ہوتا ہے۔زیادہ تر برکت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ تمہاری آمدنی ہے وہ سب تمہارے خرچ میں آئے، بے کار خرچ نہ ہو، نہ بیماری میں خرچ ہو، نہ فضول خرچیوں میں، نہ فضول مقدموں میں، نہ بے کار تکلف کی چیزوں میں خراب ہو۔جو کچھ تمہاری آمدنی ہو، وہ تمہاری ہی ذات پر خرچ ہو، ایسی تھوڑی آمدنی اس زیادہ آمدنی سے اچھی ہے کہ تمہارے اوپر خرچ نہ ہو۔'' (تسہیل المواعظ ص ۷۸)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ''میں کہتا ہوں کہ رزق سے غرض یہ ہے کہ اطمینان ہو اور یہ گناہ کرنے میں حاصل نہیں ہوتا۔ناجائز طریقہ سے کتنا ہی کما لو مگر جو خوشی اور بے فکری تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز اس سے حاصل نہیں ہوتی۔'' (تسہیل المواعظ ۶۴)

ہم ایک نوکری سے دوسری نوکری پھر تیسری نوکری کی تلاش جاری رکھتے ہیں لیکن ضروریات پھر بھی پوری نہیں ہوتیں۔اس لئے کہ ضروریات ضروریات کو جنم دیتی ہیں۔ایک ضرورت پوری نہیں ہوتی کہ دوسری کا سرا نظر آجاتا ہے۔حضرت تھانویؒ نے ضرورت کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ایک واقعی اور دوسری فرضی۔ واقعی ضرورت کی تو انتہا ہوسکتی ہے اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہاء نہیں۔جب انتہاء نہیں تو اس کو رفع کرنے کے لئے کونسی رقم کافی ہوسکتی ہے۔شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچیاں، پوشاک کا اعلیٰ سے اعلیٰ ہونا، زیور کا عمدہ سے عمدہ ہونا ضرورت نہیں فیشن ہے۔یہ سب فضولیات ہیں جن کو نفس ضروری بتاتا ہے اور ان کو پورا کرنا خواہشِ نفس کی تعمیل ہے جن میں بڑے بڑے عقل مند گرفتار ہیں۔ (تسہیل المواعظ ص ۶۳)